ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

فغانِ عالم

در

ماتمِ جوہر

مرتبہ

محمد الدین ادیب فاضل
گورنمنٹ ہائی سکول چکوال ضلع جہلم

پبلشرز
دیوان وزیر سنگھ اینڈ سنز تاجران کتب چکوال
۱۹۳۱ء

بار اول تعداد ۱۰۰۰ — قیمت ۶؍

[illegible]

۷۸۶

[illegible]

فغانِ عالم

در

ماتمِ جوہر

مترجمہ

محمد الدین ادیب فاضل

گورنمنٹ ہائی سکول چکوال ضلع جہلم

پبلشرز

دیوان وزیر سنگھ اینڈ سنز تاجران کتب چکوال

۱۹۳۱ء

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام بابو نظام الدین پرنٹر چھپی۔

پیش کش

میں اس ہدیۂ مخلصانہ کو مخدومی جناب قاضی
غلام احمد صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی
پلیڈر۔ وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی چکوال
کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں۔

؎ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

خاکسار
ادیب

چکوال ۴ مارچ ۱۹۳۱ء

دیباچہ

ایزدِ متعال نے حفاظتِ اسلام کا سامان قیامت تک کے لئے یہ کہہ کر فرما دیا۔ "اِنّا نحن نزّلنا الذّکر وَ اِنّا لہٗ لحافظون" چنانچہ مشیتِ خداوندی نے تیرہ سو سال تک ملتِ اسلامیہ کی حفاظت مختلف اَدوار میں مختلف برگزیدہ ہستیوں کے ہاتھوں معجزانہ رنگ میں کرائی۔ یعنی اِسلام کی دینی اور دُنیوی اور صوری اور معنوی ترقی کے سامان برابر بہم پہونچتے رہے۔ کیونکہ دُنیا میں جب تک حق قائم ہے باطل کی یورشوں کے مقابلہ میں اِس کی حمایت ضروری ہے۔ دورِ حاضرہ میں حفاظتِ اِلٰہی کا ہاتھ ہم نے غازی عبدالکریم۔ سعد زاغلول پاشا۔ مصطفےٰ کمال پاشا رضا شاہ پہلوی۔ امان اللہ خاں غازی۔ سیّد جمال الدین افغانی۔ اور رئیس الاحرار مولانا محمد علیؒ کی عظیم الشّان ہستیوں کے اندر جلوہ نما پایا۔ مؤخر الذکر ہستی **اسلامیانِ ہند** کی موجودہ نسل میں فقید المثال ہستی تھی۔ جو پچھلے دنوں لندن میں موت کے بے پناہ ہاتھوں نے اُن سے ایسے وقت میں چھین لی۔ جبکہ انہیں اسکی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ قوموں کی قسمتوں کے فیصلے ہورہے ہیں۔ اور ہمارا یہ حکیم نکتہ داں ہماری کشتی کو عین منجدھار میں چھوڑ کر رخصت ہو گیا ہے۔ گویا غالب کا یہ شعر یوں صادق آتا ہے۔

ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز
"گسستہ لنگر کشتی و ناخدا رفت است"

یہ ستارۂ درخشندہ افقِ ہند پر ۱۸۷۸ء میں طلوع ہوا۔ اور مدت العمر برابر ملتِ گم گشتہ راہ کو صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا رہا۔ اسلام کے اس بطلِ جلیل نے اپنا تن من دھن۔ اولاد و خانماں اور سب سے آخر اپنی صحت اور جان بھی لندن کے میدانِ جنگ میں ایک جانباز سپاہی کی طرح اِسلام پر قربان کر دی۔ اور دُنیا کے لئے اِن الفاظِ ایزدی کی زندہ تفسیر مہیا کی "اِنّ صلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ ربّ العٰلمین" وُہ نہ صرف ہندوستانیوں بلکہ مسلمانانِ عالم کا مسلّمہ رہنما تھا۔ اس نے یہ قابلِ رشک مرتبت اپنی بے مثال قربانیوں کے عوض اپنی ملت سے پائی۔ خواہ دُنیا کے کسی خطّے میں بھی مسلمانوں پر کوئی آفت ٹوٹی۔ محمد علی پر خواب و خور حرام ہو گئی۔ اور جان و مال سے اُن کی اعانت پر کمر باندھ لی۔ اور اسوقت تک دم نہ لیا۔ جب تک کہ مخاصمت کے ہر عنصر کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ کر نہ رکھدیا۔ وُہ نہ صرف مشرق و مغرب کے علومِ متداولہ کا مُنتہی محمد علی تھا۔ بلکہ ایک عالم با عمل محمد علی۔ ایک عاشقِ اِسلام اور صوفی محمد علی۔ ایک بلند پایہ مقرّر محمد علی۔ ایک حق پرست اور باطل شکن محمد علی۔ ایک سچا ہمدردِ ملت محمد علی۔ ایک بے بدل ادیب اور اخبار نویس محمد علی۔ خوفِ غیر اللہ کا ایک ماحی محمد علی۔ اور جنگِ حق و باطل میں ایک ایثار پیشہ اور فدا کار جرنیل محمد علی تھا۔ آہ! اِسلام کا یہ جانباز سپاہی حق و باطل کے معرکۂ لندن میں پورے دم خم کے ساتھ اپنے آخری جوہر دکھا کر ہمیشہ

ہمیشہ کے لئے رحمت خداوندی کی گود میں سو گیا۔ اور سارے عالم کو نوحہ کناں چھوڑ گیا۔ ؎

یک نفس جانِ نزارِ او تپید اندر فرنگ
تا شرہ برہم زنیم از ماہ و پرویں درگذشت

اس کی موت اسلام کے وقار اور مندرجہ بالا تمام اوصاف کی موت ہے۔ لہذا مسلمانانِ عالم اس کی وفات پر جسقدر ماتم کریں کم ہے۔ مگر افسوس۔ کہ آہ و فغاں اور گریہ و ماتم سے قمت کوئی مفید مطلب نتیجہ حاصل نہیں کر سکتی۔ لہذا مسلمانوں کو اور خصوصاً نوجوانانِ اسلام کو چاہیئے۔ کہ اس کی سبق آموز حیات کو اس کارزارِ زندگی میں اپنے لئے مشعلِ راہ قرار دیں۔ اور اپنے اندر وہ اوصافِ حمیدہ پیدا کریں۔ جنہوں نے محمد علی کو چار دانگ عالم میں آفتاب عالمتاب بنا کر چمکایا اور یہ تب ہی ممکن ہے۔ کہ ہم اسکے تذکرے سے ہمیشہ اپنے دلوں کو گرماتے رہیں۔ الحمدللہ کہ اسی خیال نے میرے مہربان اور نہایت ہی محترم دوست ملک محمد دین صاحب ادیب کو اس بات پر آمادہ کیا ہے۔ کہ وہ مولانا کی وفات حسرت آیات پر دنیا کے برگذیدہ اور نامور ادبا و شعرا کے خیالات کو کتابی صورت میں نوجوانوں کے سامنے پیش کریں۔ تاکہ وہ ان سے حسب استطاعت مستفیض ہوں۔ میں جہاں ان کی خدمت میں اس مبارک خیال پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ وہاں عامۃ المسلمین سے اور خصوصاً نوجوانانِ اسلام سے پر زور درخواست کروں گا۔ کہ ؤ

اس کتاب سے پورا پورا استفادہ حاصل کرکے اُن کی مساعی جمیلہ کو بارآور فرمائیں۔ والسّلام

امیرالدین۔ بی۔ اے

مورخہ ۲۸ر فروری ۱۹۳۱ء

فہرست مضامین کتاب ہذا

مُقدّمہ

زعیم الشرق امیر المجاہدین رئیس الاحرار قائدِ اعظم۔ محمد علی کی وفات حسرت آیات کا صدمہ مسلمانانِ عالم کے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔ اِس نازک دَور میں جبکہ مختلف اقوام تحفظِ حقوق کی خاطر میدانِ تگ و تاز میں سرگرمِ عمل اور باہم دست و گریباں ہیں۔ محمد علی ایسے قائدِ اعظم اور رہنمائے مسلم کا آغوشِ فنا میں ہمیشہ کی نیند سو جانا خوابیدہ بختِ مُسلم قوم کی موت کے مترادف ہے آج ہمارے دیدے اشکبار ہیں۔ کہ **میدانِ سیاست کا پختہ کار جرنیل چل بسا**۔ آج ہم نوحہ کناں ہیں کہ قوم مُسلم کا پیشوا جاتا رہا۔ آج ہماری آنکھیں خون کے آنسو رو رہی ہیں کہ ہمارا فصیح البیان لیکچرار محمد علی۔ ہمارا شگفتہ مزاج عالم محمد علی۔ ہمارا سیرِ دبیر محمد علی۔ ہمارا زاہدِ شب زندہ دار محمد علی۔ ہمارا اپنے اقران و اماثل سے میدانِ عمل میں گوئے سبقت لے جانیوالا محمد علی ہمارا عالم باعمل محمد علی۔ ہمارا فاروقِ ثانی محمد علی دنیا سے اُٹھ گیا طول و عرضِ کشورِ ہند میں کوئی ایسی جامعِ اوصاف ہستی دکھائی نہیں دیتی۔ جو محمد علی کی جگہ کو پُر کر سکے۔ اور ملتِ مرحومہ کی حقیقی معنوں میں رہنمائی کا دم بھر سکے۔ ایزد متعال مرحوم و مغفور کو اعلےٰ علیتین میں جگہ دے۔ اور مسلمانانِ ہند کو بچنے مفاد کی قربان گاہ پر محمد علی

نے متاعِ جان کو بھینٹ چڑھایا ہے۔ شاہراہِ ترقی پر گامزن ہونے
کی توفیق ارزانی فرما دے۔ آمین ثم آمین۔

آج مسلمانانِ ہند کے لئے محمد علی کے "لائحہ عمل" کو اپنا مطمع نظر
بنائے۔ اور میدانِ عمل میں قدم بڑھانے کا اگر کوئی ذریعہ ہے۔ تو ایک
اور **صرف ایک** ہے۔ کہ ہر فردِ قوم محمد علی کے سوانح حیات
اور اُس کے کارہائے نمایاں سے شمعِ ہدایت کا کام لے۔ اُس کی زندگی
کے ہر ایک پہلو سے پُوری پُوری واقفیت رکھے۔ مشاہیرِ عالم کے
الفاظ جو محمد علی کی موت پر اُن کی زبان سے برجستہ نکلے ہیں زمانہ
کے کانوں میں گونج رہے ہوں۔ اِسوقت اہم ضرورت تھی۔ کہ محمد علی
کا **تذکرہ حسنہ** کتابی صورت میں عامۃ المسلمین کے ہاتھوں
میں پہنچے۔ پِلّٰہِ الحمد۔ کہ اِس کارِ نیک کی ابتدا مکرم چوہدری امیر الدین
صاحب **امیر** بی۔ اے کی تحریک پر میرے ہاتھوں سے ہو رہی ہے
اور ملک کے مایۂ ناز شعراء و اُدبا کے خیالات و افکار کو جن کا اظہار
اُنہوں نے رئیس الاحرار کی وفات پر کیا ہے۔ مناسب ترتیب دے کر
کتابی صورت میں شائع کرنے کا فخر حاصل کر رہا ہوں۔ جہاں میں
اپنے محترم محسن **امیر** صاحب ممدوح کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔
جنہوں نے میری توجہ اس کام کی طرف مرکوز کی ہے۔ اور اس کام
میں میرا ہاتھ بٹایا ہے۔ وہاں مسلم حضرات سے عرض کرونگا۔
کہ وہ خود اس کتاب کا مطالعہ کریں۔ اور اپنے احباب کو

بھی مطالعہ کی ترغیب دلائیں۔

ط اللہ تعالٰے حسنِ قبول ارزانی کرے۔

خاکسار

محمد الدین ادیب

چکوال۔

۲ مارچ ۱۹۳۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت رئیس الاحرار کے سوانح حیات

حضرت رئیس الاحرار کے قلم سے ۱۵ رذی الحجہ ۱۲۹۵ھ اور ۱۵ رذی الحجہ ۱۳۴۵ھ

۱۵ رذی الحجہ ۱۳۴۵ھ کو حضرت رئیس الاحرار رحمۃ اللہ علیہ کی عمر پچاس سال کی ہو گئی تھی۔ اس موقعہ پر آپ نے "ہمدرد" مورخہ ۱۷ رجون ۱۹۲۷ء میں ایک مضمون لکھا تھا۔ جو تبرکاً و تیمناً ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

جس خالق نے مجھے ۱۵ رذی الحجہ ۱۲۹۵ھ کو پیدا فرمایا تھا۔ اُسکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ آج بتاریخ ۱۵ رذوالحجہ ۱۳۴۵ھ میں نے اپنی عمر کے پچاس سال پورے کئے۔ اس پوری مدت پر نظر ڈالتا ہوں۔ تو عجیب عجیب خیالات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ ۱۷ ررمضان المبارک ۱۲۹۷ھ کو میرے والد نے بعارضہ ہیضہ کوئی بتیس تینتیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ اُسوقت میری والدہ مرحومہ کی عمر ستائیس اٹھائیس برس کی تھی۔ سوائے قرآن پاک کے کچھ نہ پڑھا تھا۔ اُسی کی مدد سے خود اُردو کا بین السطور ترجمہ پڑھنے کی استعداد پیدا کرلی تھی۔ والد نے تنیس پینتیس

ہزار کا قرضہ چھوڑا تھا۔ اور پانچ لڑکے اور ایک لڑکی جن میں سے
سب سے بڑے کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔ جو تین برس کی عمر میں مرگی
کے موذی مرض میں مُبتلا رہے۔ اور سب سے چھوٹا میں خود تھا
جس کی عمر اُسوقت پَونے دو سال کی تھی۔ مجھے اپنے والد مرحوم
بالکل یاد نہیں۔ مگر والدہ مرحومہ کو کبھی نہیں بھُول سکتا۔ علاوہ
اِس فیض گراں مایہ کے جو شوکت صاحب کی محبت نگرانی اور
ترغیب و تحریص کی بدولت مجھے نصیب ہُوا ہے۔ مَیں جو کچھ
ہوں۔ اور جو کچھ میرے پاس ہے۔ وُہ خداوند کریم نے مجھے
اِسی مرحومہ کے ذریعے عطا فرمایا ہے۔ والد مرحوم کی وفات
کے دِن سے خود گھر کی بُوڑھی ماماؤں کا سا سادہ اور سستا
لباس پہنا۔ اور اُن کی طرح رُوکھی سُوکھی کھا کر گذر کی۔ مگر ہمارا
کوئی سوال رد نہیں کیا۔ اور ہمیں اِس عیش و آرام میں رکھا۔
پالا اور بڑا کیا۔ جو ہمارے اُن چچاؤں کی اولاد کے عیش و
آرام سے کِسی طرح کم نہ تھا۔ بلکہ کچھ زائد ہی تھا۔ جو بفضلہٖ تعالیٰ
والد مرحوم کی وفات کے وقت زندہ اور سلامت تھے۔ جِن کی
جائدادوں پر قرضہ کا وُہ بوجھ نہ تھا۔ جو ہمارے ترکہ پر تھا۔ اور
جو ریاست رامپور میں بڑے بڑے عُہدوں پر ممتاز تھے۔ اُن سب
سے پہلے ہمیں کو گھر سے نکال کر بریلی اسکول میں تعلیم کے لئے
والدہ مرحومہ نے بھیجا۔ اور وُہ سب تو اسکول چھوڑ چھوڑ کر گھر

چلے گئے۔ مگر ہماری تعلیم جاری رہی۔ اور شوکت صاحب جس طرح ریاست رامپور کے باشندوں میں سے غالباً سب سے پہلے کسی ہندوستانی یونیورسٹی کے گریجویٹ ہوئے۔ اسی طرح اِن میں سب سے پہلے آکسفورڈ کا گریجویٹ میں ہوا۔ میرے سب سے بڑے چچا جو ہماری جائداد کا انتظام فرمایا کرتے تھے۔ اور ریاست میں ایک بہت بڑے عہدہ پر ممتاز تھے۔ اُسوقت زندہ تھے۔ جب مَیں اُن کے سب سے چھوٹے مرحوم بھائی کا سب سے چھوٹا لڑکا اور ایک بیوہ کا پرورش کردہ اِسی ریاست میں اُن سے بھی بڑے عہدے پر مقرر کیا گیا۔ تو اُنہوں نے اِس اعزاز پر مجھے گلے لگا لیا۔ اور پیار کیا۔

ریاست ہائے رامپور اور بڑودہ میں مجھے اچھے خاصے عہدوں پر ملازمت کرنے اور جو خدمتیں تفویض ہوتی رہیں۔ اُنہیں نیکنامی کے ساتھ بجا لانے اور چند اور ریاستوں میں اِن سے بھی اچھے عہدوں کے دیئے جانے مگر بمجبوری قبول نہ کر سکنے کے بعد مَیں نے دُنیائے صحافت میں قدم رکھا۔ اور ملک و ملت کی خدمت کیلئے اِس شعبۂ زندگی میں داخل ہُوا۔ آج یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ ان خدمات کی انجام دہی میں نیک نامی حاصل کی یا بدنامی۔ لیکن غالباً یہ تو آج پھر بھی نہ کہا جائیگا۔ کہ گمنام رہا۔ مسلمانوں کی سب سے پہلی نمائندہ سیاسی انجمن یعنی مسلم لیگ کی ۱۹۰۶ء

میں بنیاد ڈالی - اور ۱۹۱۶ء میں اسکا صدر منتخب ہوا۔ گو قیدِ فرنگ کی بدولت کرسیٔ صدارت پر میری تصویر ہی جلوہ افروز ہوئی - اِس عزت افزائی کے باعث اپنی ملت کا آج تک مشکور ہوں۔ اگرچہ میری نظر میں جو اِس کی حقیقت تھی - وہ اِسی زمانے کے اِس شعر سے واضح ہوتی تھی۔ ؎

یہ صدر نشینی ہو مبارک تمہیں جوہرا
لیکن صلۂ روزِ جزا اور ہی کچھ ہے

پانچ سال کی نظر بندی اور قید سے رہائی پر ۱۹۲۰ء میں جمعیتِ خلافت کی طرف سے ایک وفد کا سرکردہ ہو کر یورپ جانا - اور وزرائے برطانیہ - فرانس و ایطالیہ و پاپائے روم سے ملنا پڑا - پھر دو سال کی قید سخت کی سزا بھگتی - اور اِس کے بعد ۱۹۲۳ء میں ہندوستان کی سب سے بڑی نمائندہ سیاسی انجمن انڈین نیشنل کانگرس کی صدارت کیلئے باتفاق رائے انتخاب ہوا۔ ۱۹۲۶ء میں سب سے پہلے عالمِ اسلام کی مؤتمر کے لئے بھی مسلمانانِ ہندوستان کی نمائندگی کے لئے جمعیت خلافت کیطرف سے منتخب ہوا۔ ؎

زہے سعادتِ آں بندۂ کہ کرد نزول
گہے ببیتِ خدا و گہے ببیتِ رسول

گو مؤتمر کا دوسرا اجلاس حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں منعقد

نہیں کیا گیا۔ لیکن مؤتمر کی شاخ ہند کی طرف سے اس کے لئے بھی بلا اختلاف منتخب ہُوا۔ اِن مناصب کے متعلق جو فرائض تھے۔ اُنہیں نیک نامی سے سرانجام دیا۔ یا بدنامی نصیب ہوئی۔ یہ نہیں کہہ سکتا۔ مگر یقیناً گمنام نہیں رہا۔ لیکن نہ یہاں کا نام مطلوب ہے۔ نہ یہاں کی نیکنامی جو کچھ مطلوب ہے۔ وہ وہی "صلہ روزجزا" جس کا ۱۹۱۱ء کے انتخاب صدارت کے بعد کے شعر میں ذکر ہے۔ دیکھئے وہاں کیا ملتا ہے ؎

کیا نہ ہوگی بری ہی حاجت روا	جسکا مولیٰ قاضی الحاجات ہے
اس کی رحمت پر ہو جسکا آسرا	اُسکو کیا حزن و غم ما فات ہے
لے چلے ہیں سکی رحمت کا یقیں	اپنی تو صاحب یہی اوقات ہے

خود خدا شاہد ہے۔ کہ جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ اُس پر اور اُس کے رسول پر ایمان ہے۔ لیکن اس کو کیا جائے۔ کہ بدبختی ہے۔ ؏۔ اُن کو مانا ہے پہ کہنا نہیں مانا اُن کا۔

ہزاروں گناہ کئے ہیں۔ فرائض مذہبی کی آدائگی میں لاکھوں کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ تاہم اُس رحیم کریم کا شکر ہے۔ کہ اسلام کی مصایب میں شریک کر کے آنکھیں کھولدیں۔ اور اپنے گمراہ بندہ کو راہِ راست پر لایا۔ ممکن ہے۔ کہ اب بھی یہ وسوسہ شیطانی ہی ہو۔ اور میری بھی وہی حالت ہو۔ جس کے متعلق غالب نے لکھا ہے۔ ؎

ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

لیکن دل تو کہتا ہے۔ کہ جس کے نام نامی پر والدین نے میرا نام رکھا تھا۔ اُس کے طفیل میں مجھ پر بھی کرم ہُوا۔ اور مجھ سے بھی اُس ذاتِ گرامی (صلے اللہ علیہ وسلم) کا چاہنے والا قربان رہا ہے۔ "اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی"۔ جتنا سوچتا ہوں۔ وُہی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ جو بحالتِ نظربندی چند دائرہ میں ان اشعار میں ظاہر کی گئی تھی۔ ؎

یہ نظربندی تو نکلی ردِ سحر　　دیدہائے ہوش اب جاکر کُھلے
اب کہیں ٹوٹا ہے باطل کا طلسم　　حق کے عقدے اب کہیں مجھ پر کُھلے
اب ہُوا ماسوا کا پردہ فاش　　معرفت کے اب کہیں دفتر کُھلے
فیض سے تیرے لئے قیدِ فرنگ　　بال و پر نکلے قفس کے در کُھلے

یہ جائز نہیں۔ کہ میں بھی اپنے ہمنام علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے طفیل میں آج جبکہ مجھے پیدا ہوئے نصف صدی گذر چکی۔ اپنے دل کی ڈھارس بندھاؤں۔ کہ لَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ مِّنَ الْاُوْلٰی اور اس غزل کا مقطع بھی صحیح ہو جائے کہ ؎

جیتے جی تو کچھ نہ دِکھلایا مگر
مر کے جوھرؔ آپ کے جوہر کُھلے

جب میں دس بارہ برس کا لڑکا تھا۔ تو خیال کیا کرتا تھا۔ کہ پچاس برس کا آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اور بڑھاپے میں اُٹھنے بیٹھنے

چلنے پھرنے کھانے پینے میں دوسروں کی مدد لینی پڑتی ہے۔ اور
دُوسروں کا دستِ نگر ہونا پڑتا ہے۔ اِسلئے میری آرزو تھی۔ کہ
خدا کرے۔ کہ پچاس برس سے پہلے ہی موت آجائے۔ تاکہ سِسک
سِسک کر اور پلنگ پر پڑے پڑے ایڑیاں رگڑ کر مرنا نہ پڑے
آج پچاس سال کا ہوگیا۔ مگر اب تک موت نہیں آئی۔ حالانکہ
جس سال سے میدانِ صحافت میں قدم رکھا ہے۔ ذیابیطس جیسے
موذی اور مُہلک مرض میں مُبتلا ہُوا ہوں۔ اور جو راحت و آرام
سکون و بے فکری اُس کا مقابلہ کرنے کے لئے درکار ہے۔ وُہ
مفقود ہے۔ اِسوقت تک جتنی عمر ہوئی ہے۔ اُسکا آخری تہائی
حِصّہ اِس مرض میں گذرا ہے۔ اعضا میں اب قوت باقی نہیں
ہے۔ حافظہ بے حد خراب ہے۔ لیکن بِحَمْدِ اللہ اب تک دوسرو
دستِ نگر نہیں ہونا پڑا۔ اُٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کھانے پینے میں
ابھی دُوسروں سے مدد لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اور گو سالِ
گذشتہ میں چار مہینے صاحبِ فراش بھی رہا۔ تب بھی ملک و
ملت کے کاموں میں شرکت کی۔ اور بیٹھے بیٹھے بلکہ لیٹے لیٹے
بھی وُہ خدمات انجام دیتا رہا۔ جو کانگرس اور خلافت کے سلسلے
میں مجھ سے متعلق تھیں۔ اِس حالت میں حج بیت اللہ کا شرف
بھی نصیب ہُوا۔ اور گو آسی دن جسدن مؤتمر عالم اسلام نے
رسمی افتتاح کے بعد اپنا اصلی کام شروع کیا۔ آدھے جسم پر

بے چینی پیدا ہو گئی۔ اور وُہ بھی قلب والے آدھے حصّہ میں۔ اور مَیں سمجھا۔ کہ میاں نے اپنے گھر بُلا کر ہمیشہ کے لئے مہمان نوازی فرمائی۔ مگر موت نصیب ہو کر جنّت المعلٰی میں رہنا میسّر نہ ہُوا۔ دوسرے ہی دن سے مؤتمر کے جلسہ میں شریک ہُوا اور جو کچھ ہو سکا کیا۔ اسکے ختم ہوتے ہی زیارت روضۂ رسُولؐ کے لئے نِکلا۔ تو راستہ میں وُہ دُنبل نِکلا۔ جس سے خیال ہُوا۔ کہ شاید اِسی سُوراخ سے ملک الموت تشریف لانے والے ہیں۔ اور جنّت المعلٰی کی جگہ جنّت البقیع میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مہمانداری کا سامان کرایا جائیگا۔ مگر جو موت مکّہ معظّمہ میں نصیب نہ ہوئی تھی۔ وہ مدینہ منوّرہ میں بھی میسّر نہ ہوئی۔ البتّہ جب مولوی ثناء اللہ صاحب نے بندھا ہُوا ہاتھ مدینہ منوّرہ سے واپسی پر دیکھ کر پوچھا۔ تو غالب کے غیر مطبوعہ کلام میں سے یہ شعر سُنانا پڑا۔ ؎

موت اُن کی ہے جو بس مر کے وہیں دفن ہوئے
زندگی اُن کی جو اِس کوچے سے گھائل آئے

نہ معلوم ہمارے قبہ و قبر شکن بھائی اس موت کے قائل ہیں یا نہیں۔ جو صرف انہی کا حصہ ہے۔ جو بس مر کے وہیں دفن ہوئے۔ لیکن مَیں تو اِس قبہ و قبر شکنی پر بھی اِس کا قائل ہوں اور نیز اِس زندگی سے جو اُن کا حق ہے۔ جو اِس کوچے سے گھائل

آتے ہیں۔ کہ محمد اللہ اس کوچے سے گھایل ہو کر آیا ہوں۔
باوجود روز افزوں ملکی وملی وذاتی مصایب کے آج پندرہ
ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ تک اِس کی زندگی کا لطف اُٹھا رہا ہوں۔
جو اِس کوچے سے گھایل آنے والوں کو عنایت ہوتی ہے۔
اور اُس کوچے کی خاکروبی کی خدمت جہاں تک ہو سکتا ہے
اِس دورِ اُفتادگی کی حالت میں بھی کرتا ہی رہتا ہوں۔ چاہے
کسی اور بھائی کو جو وہاں سے گھایل ہو کر نہیں آیا ہے۔ پسند
آئے یا نہ آئے۔ جسکے طفیل میں یہ زندگی نصیب ہوئی۔ اسکے
طفیل میں اس ذاتِ پاک سے جسکے ہاتھ میں میری جان ہی التجا
ہے۔ کہ اگر اس کوچے میں ایک مشت استخوان کے لئے دو مشت
خاکِ پاک نصیب ہو جائے۔ تو بڑا کرم ہوگا۔ لیکن اگر اس
سعادت سے محروم رہوں۔ تب بھی یہ تو آج حکم ہو جائے۔ کہ
جس بندہ کا نام محمد علی اسمائے گرامی پر آج سے پچاس سال
پیشتر ہم نے رکھوایا تھا۔ اس کو اب جتنے دن اور جینا ہے۔ محمد
اور علی ہی کے دین کی خدمت کے لئے جلایا جائے۔ تاکہ ہر روز
روزِ عید اور ہر شب شب برات ہو ؎

وہی دن ہے ہماری عید کا دن   جو تیری یاد میں گذرتا ہے

اور جہاں کہیں بھی موت آئے۔ اِسی راستہ میں آئے جس میں
محمد اور علیؓ کو موت آئی تھی۔ قارئین "ھمدرد" سے

استدعا ہے۔ کہ میرے لئے دُعا فرمائیں۔ کہ جو دِن زندگی کے اَب بھی باقی ہوں۔ خدمتِ اِسلام میں صرف ہوں۔ اور موت آئے۔ تو اللہ ہی کے راستہ میں پچاس برس جہاں ایک اللہ کے حق ادا کرنے میں لاکھوں کوتاہیاں ہوئی ہیں۔ وہاں اُس کی کروڑہا کروڑ مخلوق کا حق ادا کرنے میں کیا کچھ کوتاہیاں نہ ہوئی ہونگی۔ سب بھائیوں اور بہنوں سے التجا ہے۔ کہ جس کسی کو مَیں نے ہاتھ سے زبان سے قلم سے تکلیف پہنچائی ہو۔ یا سوءظن ہی کے باعث دل ہی دل میں اسکو بُرا سمجھ کر اسکی حق تلفی کی ہو وُہ مجھے للہ معاف کر دے۔ خداوند کریم اس کو اجر دیگا۔ جس کسی نے مجھے نقصان پہونچایا۔ تو اُسے میں نے للہ معاف کیا۔ میری بحمد اللہ آج کسی سے ذاتی عداوت نہیں۔ لیکن جب تک خلق اللہ کی خدمت کرتا رہونگا۔ یہ ممکن نہیں۔ کہ کسی کو بھی بُرا نہ کہوں۔ لیکن خداوند مجھ پر کرم فرما۔ اور میری دوستی اور دشمنی سب تیرے ہی لئے ہو۔ اور الحبّ فی اللّٰہ والبغض فی اللّٰہ میرا شعار رہے۔ خداوندا تنا اور بھی کرم فرما۔ کہ مجھے الکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ میں شامل فرما۔ اگر یہ دُعا قبول فرماتا ہے۔ تو ابھی اور زندہ رکھ۔ تاکہ کچھ تری مخلوق کی خدمت اور تیری عبادت کر سکوں۔ ورنہ بس اب زندگی سے بیزار ہوں آج ہی میرا خاتمہ فرما دے اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ امین

مولانا محمدؐ علیؒ

(از خواجہ حسن نظامی صاحب)

خواجہ حسن نظامی نے ۱۹۲۳ء میں "مشاہیر ہند" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا۔ جس میں مولانا مرحوم کے متعلق یوں لکھتے ہیں۔

میانہ قد۔ موٹا جسم۔ نمکین بشرہ۔ گول۔ اور خوب بھاری بھرکم چہرہ۔ آنکھیں معمولی مگر اُن کے اندر کشش وار تیزیاں۔ آواز بلند گرجدار۔ لیکن زیادہ بولنے کے بعد تھک کر بیٹھ جاتی ہے۔ رامپور کے رہنے والے ہیں۔ قوم عشق باز یعنی شیخ۔ سیّد۔ مغل۔ پٹھان۔ اور برہمن۔ کشتری۔ ویش اور شودر سے بالاتر۔ عمر آج کل چالیس کے قریب ہے۔ قیامت تک زندہ رہینگے۔ مگر حیات کے بورئیے نہیں سمیٹینگے۔

تین بھائی ہیں۔ بڑے بھائی شوکت علی ہیں۔ ایک بھائی کا نام ذوالفقار علی ہے۔ وہ قادیانی ہوگئے ہیں۔ گویا ماں باپ کی تین یادگاریں ہیں۔ اور تینوں دین و قوم و ملک پر فدا ہیں۔ محمد علی کی انگریزی ترقی تمام مسلمانانِ ہند سے برتر ہے۔ لیکن عشق باز فرقہ کہتا ہے۔ کہ محمد علی کی فوقیت انگریزیت کی وجہ سے

نہیں ہے۔ بلکہ ان کے دل کی خوبی سارے ہندوستان میں ممتاز ہے۔ اور مسلمان لیڈر تو ایک بھی انکے دل کی برابری نہیں کر سکتا۔

ہندوستان میں قومی وسیاسی جذبات انہی دونو بھائیوں نے پیدا کئے ہیں۔ اور انہی کی محنت سے مسلمان قوم میں بیداری پیدا ہوئی ہے۔

محمد علی کا مزاج اپنے بڑے بھائی شوکت علی کے بالکل برعکس تھا۔ یعنی شوکت علی میں برداشت کا مادہ بہت زیادہ ہے۔ محمد علی جلدی مشتعل ہوجاتے ہیں۔ مگر باوجود اس اختلاف مزاج کے آپس میں دونو بھائی عاشق معشوق کی طرح محبت رکھتے ہیں۔

محمد علی کا مزاج شاہانہ ہے۔ جب وہ نوکری کرتے تھے۔ ایڈیٹری اور لیڈری کا خواب وخیال بھی نہ تھا۔ تب بھی بادشاہوں کا سا حوصلہ خرچ کرنے کو تھا۔ نماز روزہ کی پابندی شروع ہی سے ہے قوم کی رہنمائی محض علمی لیاقت یا لکھنے اور بولنے سے نہیں ہوسکتی۔ اسکے لئے دل درکار ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ دوسرے ممتاز مسلمان لیڈروں کے مقابلے میں محمد علی کو فوقیت ہے۔ انکے ساتھ جس شخص نے دو دن بسر کئے۔ وہ ان کا عاشق اور شیفتہ بنگیا۔ دوسرے لیڈرونکا یہ حال ہے۔ کہ ملاقات

کرنے اور ہم نشینی کے بعد دل ان سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے اندر خود غرضیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ محمد علی میں خود غرضی بالکل نہیں ہے۔ اور کچھ ہے تو بس اتنی کہ قوم و ملک کا بھلا چاہتے ہیں۔ اور چونکہ خود بھی قوم و ملک کا ایک حصہ ہیں۔ اسواسطے ضمناً اپنا بھی بھلا چاہتے ہیں۔

محمد علی کی خانگی زندگی بہت پر لطف ہے۔ اس میں رُوکھا پن نہیں ہے۔ نہ وہاں رعونت و خود پسندی پائی جاتی ہے۔ نہ بناوٹی ملنساری۔

وُہ بڑے وضعدار ہیں۔ جس سے جو برتاؤ شروع ہو جائے۔ تو آخر دم تک نباہنے کا خیال رکھتے ہیں۔ اور یہی جوہر اصلی مشرقی میں ہونا چاہیئے۔

شہیدِ ملت رئیس الاحرار

اسلام کے بطلِ جلیل کا انتقال

آخر وُہ مصیبت ناک گھڑی آن پہنچی۔ جسکا مدت سے کھٹکا لگا ہوا تھا۔ اور آخر وُہ بلاخیز وقت آ گیا۔ کہ اتحادِ عالم اسلام کے علمبردار جلیل جہادِ حریتِ ہند کے عظیم الشان مجاہد اور مسلمانانِ ہند کے سرتاج رئیس الاحرار

مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اور کروڑوں فرزندانِ توحید کو تڑپتا چھوڑ کر جنۃ الفردوس کی راہ لی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٭

ایشیا۔ عالم اسلام اور ہندوستان میں ماتم

آج ایشیا ماتم کر رہا ہے۔ کہ اسکی روایات عالیہ کا زبردست حامی۔ مغرب کی استعماری تہذیب کا جانی دشمن۔ فقید الشرق محمد علی دُنیا سے اُٹھ گیا۔ آج عالم اِسلام سوگوار ہے۔ کہ جس عظیم الشان عمارت کی بُنیادیں حضرت سید جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی تھیں۔ اُس کا ایک مخلص اور ہنرمند معمار انتقال کر گیا۔ آج ہندوستان رو رہا ہے۔ کہ محمد علی فوت ہو گیا۔ اور حریت وطن کی کٹھن منزلیں ابھی باقی ہیں۔ آج مسلمانانِ ہند خون کے آنسو رُو رہے ہیں۔ کہ اِنکا مخلص۔ بہادر۔ غیرت مند۔ ایثار پیشہ۔ فداکار۔ متقی۔ اور حق پرست رہنما موت کے بے پناہ وار کا شکار ہو گیا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی بدبختی دیکھئے۔ کہ ڈیڑھ دو سو سال کی غلامی و محکومی میں اُنہوں نے ایک جامع حیثیات رہنما پیدا کیا۔ اور وہ بھی اِن سے اِسقدر جلد چھین لیا گیا ٭

مسلمانوں کے لیڈر کی ضروری خصوصیات

آجکل زمانہ میں مسلمانوں کا صحیح اور حقیقی رہنما وہی ہو سکتا ہے۔ جو ہندوستان کے بڑے بڑے زعما کی صفِ اول میں ممتاز حیثیت رکھتا ہو۔ اسلام کے لئے اور مسلمانوں کے مفاد کے لئے انتہا درجے کا غیور و شجاع ہو۔ خدا کے سوا کسی سے ڈرنے والا نہ ہو۔ اپنے اعمال و افعال میں اسوۂ حسنہ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کا متبع ہو۔ ظاہراً و باطناً سچا اور پکا مسلمان ہو۔ زمانہ حاضر کی تہذیب۔ اس کی ضروریات اس کے علوم و فنون اور اس کے محاسن اور معائب پر عبورِ کامل رکھتا ہو۔ اپنی ملت اور اپنے دین کے لئے جان و مال کے انتہائی ایثار پر ہر وقت آمادہ ہو۔ اور اسلام کے بارے میں کبھی حرص و آز۔ کسی خوف و خطر کسی تکلیف و مصیبت سے متاثر ہونے والا نہ ہو۔

محمد علی جامع حیثیات تھا

اب انصاف سے کہیئے۔ آیا رئیس الاحرار رحمۃ اللہ علیہ کے سوا مسلمانوں کے کسی اور رہنما میں بھی اتنے محاسن یک جا پائے جاتے ہیں؟ آپ کو ایسے حضرات بیسیوں مل جائینگے۔ جو علم واتقا میں نظیر نہ رکھتے ہوں۔ لیکن ان میں قوتِ عمل اور صلاحیت ایثار نہ ہوگی۔ آپ کو بیشمار ایسے اصحاب نظر آئینگے۔ جو زمانۂ حاضر کی تہذیب سے باخبر اور علومِ جدیدہ کی روشنی سے بہرہ یاب ہونگے۔ لیکن ان میں احکامِ شریعت مصطفوی کی پابندی اور سچے اور پکے مسلمان کی خصوصیات موجود نہ ہونگی۔ ممکن ہے۔ آپ کو ایسے حضرات بھی مل جائیں۔ جو علومِ اسلامیہ اور علومِ مغربیہ کے جامع ہونے کے علاوہ زہد و اتقا کے پیکر بھی ہوں۔ لیکن ان میں تحمل شدائد اور جوشِ ایثار کی خوبیاں مفقود ہونگی۔ یہ تمام محاسن مسلمانانِ ہند کے قائدین میں سے صرف ایک **محمد علی** میں موجود تھے۔ اور وُہی تھا۔ جسے ہر اعتبار سے مسلمانانِ ہند کی قیادت کا حق پہنچتا ہے۔

لوازمِ قیادت میں محمد علی کا درجہ

زبانِ انگریزی اور علمِ سیاسیات میں رئیس الاحرار کی قابلیت کا مقابلہ ہندوستان کی دوسری اقوام کے رہنماؤں

میں سے بھی کوئی نہ کر سکتا تھا۔ اور بہترین انگریزی داں اور ماہرینِ سیاست اُن سے خم کھاتے تھے۔ التزام صَوْم و صَلوٰۃ اور پابندیٔ حدودِ شریعت کی وجہ سے مُلک کے متشدد ترین پیشوایانِ دین بھی محمد علی کا دِلی احترام کرتے تھے۔ ایثار قُربانی میں مُلک کا کوئی بڑے سے بڑا رہنما بھی (خواہ وُہ کسی قوم سے ہو) محمد علی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جس نے اپنا سب کچھ یہاں تک کہ بالآخر اپنی جان بھی اِس مقصدِ عالی کی نذر کر دی۔ جس کے لئے اُس نے اپنی زندگی وقف کی تھی۔ حُبِّ وطن اور جہادِ حریت میں جہاں کہیں بھی کا نام لیا جائیگا۔ وہاں محمد علی کا نام دوسرے تمام رہنماؤں سے پہلے رکھا جائیگا۔ اور اسلام کے مفاد اور مسلمانوں کے حقوق و مطالبات کی حمایت میں تو محمد علی وہ ممتاز رُتبہ رکھتا ہے۔ کہ کوئی دوسرا مسلمان رہنما اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

شہیدِ وطن و شہیدِ اسلام

آہ! اَب ہندوستان کے بدبخت مُسلمان کس کو اپنا رہنما کہیں گے۔ ہم چاروں طرف دیکھتے ہیں۔ اور ہمیں کوئی ایسی ہستی نظر نہیں آتی۔ جو اپنے محاسن اپنے کارناموں اور اپنی شخصیت کی جاذبیت کے باعث ہندوستان کے مُسلمانوں

کی قیادت کا دم بھر سکے۔ آج ملتِ اسلامیۂ ہند بیوہ ہو گئی۔ اسکا سہاگ لُٹ چکا۔ اسکا دُولہا اسے گرداب حیات میں تھپیڑے کھانے کے لئے چھوڑ گیا۔ اس کے مقاصد ابھی تک تشنۂ تکمیل ہیں۔ ہندوستان کی منزل بھی بہت دُور ہے۔ اور محمد علی دُنیا میں نہیں ہے۔ جس سے ہندوستان کے مسلمانوں کی بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ اس نے گول میز کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے صحیح کہا تھا۔ شاید کوئی غیبی طاقت اس سے کہلوا رہی تھی۔ کہ:

"میں غلام ملک میں ہرگز واپس نہ جاؤنگا۔ اگر تم نے ہندوستان کو آزاد نہ کیا۔ تو میں یہیں مر جاؤنگا۔ تمہیں یا تو آزادی کا پروانہ میرے حوالے کرنا پڑیگا۔ یا میرے لئے قبر مہیا کرنی ہو گی۔"

آہ! کس کو معلوم تھا۔ کہ یہ الفاظ اسقدر صحیح نکلینگے اور شمع ملت کا پروانہ اتنی جلدی جل بجھے گا۔

دُعائے مغفرت

آؤ۔ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ میں دُعا مانگیں۔ کہ وُہ شہید ملت رئیس الاحرار محمد علی کو اپنے دامنِ رحمت کے

سائے میں جگہ دے۔ اور مسلمانانِ ہند کو صبرِ جمیل کے علاوہ مرحوم کا نِعْمَ الْبَدَل عطا فرما دے۔ آمین ثم آمین

بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

آہ۔ مولانا محمد علیؒ مرحوم

مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم
(غالب)

قضا و قدر نے مسلمانانِ ہند سے ہندوستان اور عالمِ اسلام کی ایک جلیل القدر اور رفیع المنزلت شخصیت چھین لی۔ جس کی زندگی عمل و ایثار کے ہنگامہ خیز کارناموں سے مزین اور سرگرمی اور فداکاری کی روشن مثالوں سے معمور نظر آتی ہے۔ مسلمانانِ ہند کی وہ واجب الاحترام ہستی میدانِ عمل میں جس کی گرم جولانیاں اور میدانِ تحریر و تقریر میں جس کی شعلہ بیانیاں ہندوستان کی پس ماندہ اُمت مسلمہ میں سیاسی بیداری پیدا کرنے انہیں لذت عمل و کیفیتِ ایثار سے سامنا کرنے کے لئے وقف رہیں اور جس کی بے باکانہ حق گوئی کے مستانہ نعروں نے

بسا اوقات باطل کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کر دینے والی گونجیں پیدا کی تھیں۔ وطن و ملت کے بہت سے عُقدۂ لا ینحل کو حل کرنے کی سعی مسلسل میں دُنیا ومافیہا سے مُنہ موڑ کر عالمِ جاودانی کو سدھار گئے۔ "کامریڈ" کا ایڈیٹر تحریکِ خلافت کا سرگرم قائد۔ تحریکِ ترکِ موالات کا پُرجوش رہنما۔ اقتدار پرستانِ برطانیہ کے مُنہ پر حق و صداقت کے کلمہ کا بے باکی کے ساتھ اظہار کرنے والا "محمد علی" استعمار پسندانِ مغرب کی جنت ارضی پر لعنت بھیجتا ہوا جَنَّةُ الْفِرْدَوْس کو چل بسا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔

ترکِ موالات کے پُرشور زمانے میں مرحوم و مغفور کے ساتھ ہمیں جو عقیدت رہی۔ اور زمانہ ما بعد میں بعض مسائل کے متعلق مرحوم و مغفور کے ساتھ جو رائے کا اختلاف پیدا ہُوا۔ اِس موقعہ پر اُن کا تذکرہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہ باتیں لوازمِ حیات میں سے ہیں۔ اِسوقت جب کہ آنکھیں اشک آلود اور دل درد والم کے جذبات سے معمور ہے۔ "زمیندار" تمام اختلاف سے قطع نظر کرکے اِس ضیاعِ عظیم پر تعزیت کرنیوالے ایک عالم کے ساتھ مصروفِ نوحہ

خوانی ہے۔ اور اپنے بے پایاں رنج و تاسف کے احساس کو مرحوم کے تذکارِ حسنات سے ہلکا کرنیکا خواہاں ہے۔

مرحوم کے دیارِ غیر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہنے کی خبر نے تمام ہندوستان کو انگاروں پر لوٹا دیا ہے۔ موت سے کسی کو مفر نہیں۔ اور دیر وزود ہر متنفس کو اس راہ پر گامزن ہونا ہے۔ لیکن مولانا محمد علی ایسی گرامی قدر شخصیت کا ایسے وقت میں ہمیں داغِ مفارقت دے جانا۔ جبکہ ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ ہو رہا ہو۔ تمام ملک کے لئے ایک ناقابل تلافی صدمہ ہے۔ آپ کی وفات سے ہندوستان کی محفلِ سیاست میں ایک ایسی جگہ خالی ہو گئی ہے۔ جسکو پُر کرنے والا اس قحط الرجال کے زمانہ میں کوئی نظر نہیں آتا۔ ہندوستان کا یہ مایۂ ناز فرزند ۱۸۷۸ء میں مشیمۂ عدم سے محفلِ شہود میں جلوہ گر ہوا۔ علی گڑھ کالج اور اکسفورڈ یونیورسٹی میں اپنی تعلیم مکمل کرکے چند سال تک اُس نے ریاست رامپور اور ریاست بڑودہ کے وابستگانِ دامن کی سلک میں منسلک رہنے کے بعد سیاسیات وطنی کے میدان کی طرف رُخ کیا۔ جس میں اپنی شاہسواری کے جوہر دکھانے کے لئے قدرت نے اُسے پیدا کیا تھا۔ اور بحیثیت ایک صحیفہ نگار اور سیاسی رہنما کے

اسے جو کامیابی حاصل ہوئی۔ اِس پر ہندوستان کی گذشتہ بیس سال کی تاریخ کا حرف حرف شاہد ہے۔ خارزارِ سیاست میں قدم رکھنے کے بعد مولانا محمد علی نے جس تحمل شدائد و اصطبار علے المصائب کا ثبوت دیا۔ وُہ اِنہی کا حصّہ تھا۔ اُنہوں نے قید و بند کی سختیاں جھیلیں۔ طوق و سلاسل کی گرانباریاں برداشت کیں۔ وہ کوئی بہت بڑے صاحب جائداد انسان نہ تھے۔ بدوِ طفلی سے فارغ التحصیل ہونے کے زمانہ تک ہزہائی نس نواب رامپور ان کے مایحتاج کے کفیل تھے۔ ازبس کہ تعبد زارِ ہند میں ابھی تک والیانِ ریاست کے لئے یہ ممکن نہیں۔ کہ وہ سیاسیاتِ وطنی کے شجر ممنوعہ کے قریب جانیوالوں کی سرپرستی فرما سکیں۔ اسلئے مولانا محمد علی کو اِس منزل میں قدم رکھنے کے بعد نواب صاحب رامپور کی سرپرستی سے بھی محروم ہوجانا پڑا۔ لہذا دوسری مکارہ و شدائد کے ساتھ مالی مشکلات کا بھی اِنہیں سامنا ہوا۔ اور اگرچہ اِس میں کلام نہیں۔ کہ ملک میں کبھی اُنکی صدائے استعانت بصحرا ثابت نہیں ہوئی۔ لیکن ازبسکہ مولانا اور اِن کا تمام خاندان عیش و تنعم کی زندگی کا خوگر تھا۔ اسلئے اِن فتوحاتِ غیبی کے باوجود یہ کہنا غلط نہیں۔ کہ عسرت باندازہ شمار نہ تھا۔ سنہ ۱۹۲۱ء سے سنہ ۱۹۲۳ء تک "تحریک خلافت" "تحریک عدم

تعاون اور دوسری وطنی تحریکات میں مہاتما گاندھی کے دستِ راست تھے۔ اور اس زمانہ میں اُنہوں نے ہندوستان کی جو خدمت کی۔ اسکے تشکر آمیز احساس سے کسی مسلمان اور کسی ہندوستانی کا دل خالی نہیں۔ صحیفہ نگاری اور خطابت کے جوہر ازل سے ان کی فطرت میں ودیعت ہوئے تھے۔ وُہ جس کام کا بیڑا اُٹھا لیتے تھے۔ اُسے تکمیل تک پہنچانے کے لئے اپنی تمام کوششیں خرچ کرا دیتے تھے۔ اُن کے ارادہ میں کسی کی مخالفت کو خواہ اُسکے اسباب کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ کوئی تدبیر موافقت سے نہ بدل سکتی تھی۔ اہلیت کے آگ کا شعلہ ان کے کانوں تینہ میں ہمیشہ ملتہب رہا۔ اور اگرچہ حیاتِ مستعار کے آخری ایام میں اُنہوں نے اپنے رفقائے قدیم سے مُنہ موڑ کر ان لوگوں سے رشتہ جوڑ لیا تھا۔ جو فرقہ پرستی ہی کو ملک کی موجودہ مشکلات کا علاج تصور کرتے ہیں۔ لیکن باوجود اسکے وہ آگ جو ان کے دل میں تھی بالکل بُجھی نہ تھی۔ اور اس حقیقت پر ان کی اس تقریر کے جو اُنہوں نے گول میز کانفرنس میں کی۔ مندرجہ ذیل فقرات شاہد ہیں:۔

(۱) میں ایک پُرانا عدم تعاونی ہوں۔ لارڈ ریڈنگ نے مجھکو اور میرے بھائی کو محبوس زندان کیا۔ ہمارے دل میں کینہ و بغض نہیں۔ مگر ہم اپنے وطن کے لئے اس قسم کے اختیارا

کے طالب ہیں۔ کہ اگر لارڈ ریڈنگ کوئی غلطی کرے۔ تو ہم
بھی اُسکو ایسی ہی سزا دے سکیں۔
۲ - میری نظر میں مستعمراتی آزادی کی کوئی حقیقت نہیں۔
بلکہ میں تو آزادی کامل کا طالب ہوں۔
۳ - جب خدا کی بتیس کروڑ مخلوق حصول حریت کے لئے
جانیں ہتھیلی پر رکھکر نکل آئی ہو۔ تو اس کے جذبہ وطنیت
کو فنا کرنا قطعاً ناممکن ہے۔

بہر حال ہندوستان پر مولانا کے جو احسانات ہیں ان
سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور اگرچہ یہ صحیح ہے۔ کہ اپنی عمر کے
آخری لمحوں میں وہ مخلص خدامِ وطن کے ہمنوا نہ تھے۔ لیکن
یہ بھی صحیح ہے۔ کہ جو لوگ آج وطن کی آنکھوں کے تارے
ہیں۔ اُن میں ایک جماعت ایسی بھی ہے۔ جنہوں نے وطن دوستی
اور ایثار پیشگی کا سبق مولانا محمد علی ہی سے لیا ہے۔ مولانا کی
وفات پر تمام قوم ماتم نشین ہے۔ ان کا اس بزم سے اُٹھ جانا
سب کے لئے یکساں ناقابلِ تلافی صدمہ ہے۔ لہٰذا ہم تمام
قوم کے ساتھ بالعموم اور مولانا مرحوم کے اقارب کے ساتھ
علے الخصوص اس صدمہ جانکاہ میں دلی ہمدردی کا اظہار کرتے
ہیں۔ اور دُعا کرتے ہیں۔ کہ خدا مرحوم کو اعلےٰ علیین میں جگہ
دے۔ اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے ✦

آہ محمدؐ علی!

افسوس صد ہزار افسوس؟ آج ہمارے ہاتھ اُسکے ماتم میں سینہ کوبی کر رہے ہیں۔ جسکے ہاتھ کروڑوں مُردہ انسانوں کو زندہ کر چکے ہیں! آج محمدؐ علی کا لاشہ بے حس وحرکت پڑا ہے۔ حالانکہ ہندوستان کا چپّہ چپّہ اُسکے جوش سے حرکت وحیات حاصل کر چکا ہے! آج وہ آواز چُپ ہے؟ جو اِس پورے برّاعظم میں بارہا تہلکہ ڈال چکی ہے؟ وہ گداز سڈول جسم جو بیماریوں کی تمام سختیاں جھیل چُکنے کے بعد اب دیارِ غیر میں کفن اوڑھے دراز ہے۔ کل ہمارا محبوب تھا۔ ہم اِسپر فخر کرتے تھے۔ اِسے متاعِ عزیز جانتے تھے۔ اپنی جانوں سے بھی زیادہ قیمتی جانتے تھے؟ کوئی نہیں جسنے مسلمانوں کی خدمت محمدؐ علی سے زیادہ کی ہو۔ کوئی نہیں۔ جس نے مسلمانوں پر محمدؐ علی سے زیادہ آنسو بہائے ہوں۔ وُہ کون مجلس ہے۔ جس نے محمدؐ علی کے آنسوؤں کا سیلاب نہیں دیکھا؟ وُہ کون مسلمان ہے۔ جسنے "محمدؐ علی" کی روح کی بیقراریاں نہیں دیکھیں؟ روتے روتے اُس کی آنکھیں تقریباً پھوٹ چکی تھیں۔ کڑھتے کڑھتے اِس کے اعضائے رئیسہ تقریباً معطل ہو چکے تھے۔ ایک طرف بیماریاں

کی یورش - دوسری طرف انکار کا ہجوم - آخر شمع حیات ہمیشہ کے لئے گل ہوگئی ؟

ہم رو رو کر آنسوؤں کا دریا بھی بہا دیں - مگر محمد علی کے ایک آنسو کا بھی معاوضہ ادا نہیں کر سکتے - جو اس نے دردِ اُمت میں بہایا تھا؟ ہم ماتم کرتے کرتے اپنے سینے پاش پاش بھی کر ڈالیں - مگر محمد علی کی ایک آہ کی بھی قیمت پوری نہیں کر سکتے - جو غمِ ملت میں اُس نے کھینچی تھی! ہمارے آنسو اور ہماری آہیں اپنے محسن کے لئے ہونگی - لیکن محمد علی کے آنسو اور آہیں ایک غافل اور ناشکر گذار قوم کے لئے تھیں ہم اس لئے روتے ہیں کہ فیض کا ہم پر دروازہ بند ہو گیا - اور وُہ اس لئے روتا تھا - کہ ہماری بلا طلب ہم پر اپنے فیض کا دروازہ کھول دے؟ ہم اپنی محرومی پر ماتم کر رہے ہیں اور وُہ اپنی عطا کی تعمیم کے لئے ماتم کرتا تھا؟

ہرگز نہیں! بیشک مولانا مرحوم کی بیگم اِن کی صاحبزادیاں اُن کے بھائی - وہ لوگ ہیں - جنہیں قدرتی طور پر ناقابلِ بیان صدمہ ہُوا ہے - مگر کیا ہمارا صدمہ کچھ کم ہے - کیا اُمت مرحومہ کا جگر پاش پاش نہیں ہے - کیا ہندوستان کا آنسو کبھی تھم سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! لہذا ہماری تعزیت بھی عام ہے - بیگم محمد علی اور مولانا شوکت علی کے سامنے ہم تعزیت پیش کرتے

ہیں۔ اُمّت مرحومہ کیلئے اور مادرِ وطن کے لئے ہماری تعزیت ہے۔ ہم خود اپنے زخمی دل کو تعزیت دیتے ہیں! آہ محمد علی! تو اُس اُمت کا سہارا تھا! تو ہندوستان کا تارا تھا! آہ آج تو نہیں ہے۔ اور ہندوستان میں اندھیرا پھیلا ہُوا ہے محمد علی جنت الفردوس میں تیرا مقام ہوا ہو اور رحمت الٰہی کی تیری رُوح پر بارش ہو؟

موت! آخر تیرا کیا دستور ہے؟ کس اصول پر تیرا عمل ہے؟ اس ناکارہ قوم میں جو اچھا ہوتا ہے۔ اُسی کی طرف تیرا ہاتھ بڑھتا ہے۔ اور تو اُسے چھین لے جاتی ہے! محمد علی کی زندگی کا چراغ تو نے گل کر دیا۔ بتا اب اُن جیسا اِس قوم میں کون ہے! یہ سچ ہے؟ کہ ویسے دماغ بہت سے مل سکتے ہیں۔ مگر ویسا دل کس کے پاس ہے۔ آہ۔ محمد علی کا دل اِس دل میں سارے جہاں کا درد بھرا تھا۔ اور وہ سینے میں پگھل پگھل کر ہمیشہ آنکھوں سے بہا کرتا تھا؟ محمد علی معصوم نہ تھے! آدمی تھے۔ سب آدمیوں کی طرح اُنہیں بھی ٹھوکریں لگتی تھیں۔ مگر اُن کی ہر ٹھوکر میں ایک شان تھی۔ ہر غلطی میں ایک بڑائی تھی۔ ہر بگاڑ میں ایک بناؤ تھا؟ اب مسلمانوں میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا۔ کہ اپنے حق کے سامنے بھی کسی کو جھکا سکے۔ لیکن محمد علی اپنے باطل کے سامنے بھی

دُنیا کو جُھکا سکتے تھے۔ اُن سے اَبنائے وطن بھی مرعُوب تھے۔ اور حکومتِ وقت بھی خائف رہتی تھی! وُہ صرف اِسلئے پیدا کیئے گئے تھے۔ کہ سرداری کریں۔ اور عمر بھر سرداری کرتے رہے! شوکت علی آہ شوکت علی بالکل لُٹ گئے! جو دولت اُنہیں اپنی جان سے بھی عزیز تھی۔ وُہ ان سے بے دردی کے ساتھ چھین لی گئی۔ بھائیوں میں ایسی محبت چشمِ فلک نے شاید ہی دیکھی ہو۔ وُہ ایک دوسرے پر قربان تھے۔ باہمی محبت میں سرشار تھے۔ اللہ شوکت علی کو اپنی قوم کے لئے مدتوں زندہ رکھے۔ مگر ہم تو اَب اُنہیں زندہ نہیں سمجھتے۔ اللہ شوکت علی کے دِل کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ مگر ہمیں ڈر ہے کہ بھائی کی جُدائی کا غم اُن کو کھا ہی کر رہے گا! آہ شوکت علی کی مصیبت؟ بیگم محمد علی! وائے بیگم محمد علی! خدا ہی اب اُنکا حافظ ہے۔ ہم جو غیر ہیں۔ محمد علی کے غم میں سینہ چاک ہیں۔ بیگم محمد علی کا غم ہمارے تصور سے بھی بالاتر ہے؟

آہ "مصیبت" کتنی بڑی مصیبت ہے! زلزلہ انگیز مُصیبت ہے۔ آہ "حادثہ" کتنا بڑا حادثہ ہے۔ جانگسل حادثہ ہے۔ مولانا محمد علی نے انتقال کیا۔ مُسلمانوں کے پیشوا نے رحلت کی! مُسلمانوں کے سرپرست نے کوچ کیا! محمد علی جنت کو سدھارے۔ مُسلمان یتیم ہو کر رہ گئے؟

علم و حکمت کا ماتم کرو۔ ہمت و شجاعت کا ماتم کرو خود داری عزتِ نفس کا ماتم کرو۔ ایثار و قربانی کا ماتم کرو۔ حق گوئی و حق پرستی کا ماتم کرو۔ مجمع کمالات رُخصت ہوگیا منبع فضائل چل بسا۔ بلکہ اُمتِ مرحومہ کا ماتم کرو۔ کہ اُس کا رُکن رکین گر پڑا! وہ آفتاب غروب ہوگیا۔ جس کے انوار سے ایک جہاں منوّر تھا؟ آہ مسلمانوں کی بد نصیبی۔ اجل نے ایسے وقت بے رحمی کی۔ جب مسلمانوں کو اپنے اِس پیشوا کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ آہ موت! تونے ذرا خیال نہ کیا۔ کس پر دست درازی کر رہی ہے۔ محمد علی کی حیاتِ مستعار تونے ختم نہیں کی۔ پوری اُمتِ اِسلامیّہ کی کمر توڑ دی ہے۔ محمد علی! تمہارے بعد اس اُمت پر کون جاں فدا کریگا؟ حق کا کون اعلان کریگا۔ عشق رسُول میں کون پگھلے گا۔ اپنا تن مَن دھن قوم پر کون فدا کریگا؟

حُرّیت! نوحہ کر۔ کہ تیرا علمبردار راہی مُلکِ بقا ہُوا۔

صداقت! ماتم کر۔ کہ تیرے فدائی نے آنکھیں بند کریں۔

اُمّتِ محمّد؟ کبھی تیرا آنسو نہ تھمے کہ محمّد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا غلام اور تیرا سردار تجھ سے چھین لیا گیا۔!

ہندوستان! سینہ کوبی کر۔ کہ تیرا مرد میدان جاں بحق تسلیم ہُوا؟

بتوں کے آسمان! تجھے وہ مجاہد یاد ہے کہ نہیں۔ جو پا بجولاں تیرے نیچے نظر بند تھا۔ چھنڈوارے کی زمین تجھے اُس اللہ کے سپاہی کا خیال ہے کہ نہیں۔ جس کے ہاتھوں کی ہتھکڑیوں اور پیروں کی بیڑیوں نے تجھے کبھی دُلہن بنا دیا تھا؟ کراچی آہ۔ اے کراچی! تیرا درو دیوار آج شیرِ اسلام کی گرج سے گونج رہے ہیں۔ جسنے برہنہ شمشیروں اور نوکیلی سنگینوں کے سایہ میں بھی بیانگِ دُہل حق کا اعلان کیا تھا! آہ آج موت نے اسد کی اس آواز کو خاموش کر دیا! آسمان پر فرشتے مسرّت کے نعروں میں شہیدِ حق کا استقبال کر رہے ہیں۔ جنتیں آراستہ کی جا رہی ہیں۔ حوریں مہمان الٰہی کی منتظر ہیں۔ مگر زمین پر اندھیرا ہے۔ کیونکہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اُمت مرحومہ سوگوار ہے۔ کہ اسکا عاشق و معشوق مر گیا ہندوستان۔ سینہ چاک ہے کہ اس کا سردار رہنما چل بسا!

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ؕ

رئیس الاحرار نے رحلت کی۔ ہم اپنی تعزیت کس کے سامنے پیش کریں؟ بیگم محمد علی سوگوار ہیں۔ کیا اُنہیں اپنی تعزیت سنائیں؟ مولانا شوکت علی کا سینہ شق ہو چکا ہے۔ کیا انہیں تعزیت بھیجیں؟

محمد علی کا مقام

محمد علی کی موت آپ نے دیکھا کہاں ہوئی؟ وطن سے ہزارہا میل دُور۔ ہندوستان کے کسی گوشہ میں نہیں۔ حجاز میں نہیں۔ عراق میں نہیں۔ مشرق کے کسی حصہ میں نہیں۔ خاص سرزمینِ انگلستان پر۔ فرنگیوں کے دیس میں وطن سے دُوری۔ اکثر عزیزوں سے مہجوری۔ غریب الوطنی! محمد علی کو تو اپنا وطن نہایت عزیز تھا۔ اور اپنے وطن سے بھی بڑھکر اپنے آقا کا وطن عزیز و محبوب تھا۔ یہ کیا ہوا۔ کہ موت ایسے دارالکفر میں واقعہ ہوئی؟ لیکن یہ بھی آپ نے دیکھا۔ کہ مرنے کے بعد کہاں جگہ ملی؟ وہ جگہ ملی۔ جو ہمارے تمہارے تصور سے بھی بالاتر تھی۔ بیت المقدس سُلیمان و داؤد کا قبلہ۔ موسیٰ وعیسےٰ کا قبلہ۔ اور خود نَبِيُّ الْقِبْلَتَيْن کا پہلا قبلہ۔ صدہا انبیا کا مقام۔ بے شمار پیغمبروں کی سجدہ گاہ!

موت، ہوئی کہاں ہے۔ اور جگہ ملتی کہاں ہے۔ حدیث کو چھوڑیئے۔ جس میں یہ ذکر ہے۔ کہ بَيْتُ الْمُقَدَّس

کی مسجد کی ایک ایک نماز کا ثواب ہزاروں نمازوں کے برابر ہے۔ خود قرآن مجید کو دیکھیئے۔ وہ کیا کہتا ہے۔ مسجد کا نام مسجد الاقصےٰ دُور والی مسجد کہاں سے دور؟ کس سے دُور۔ بُرائیوں سے دُور۔ گندگیوں سے دُور۔ پلیدیوں سے دُور۔ اَلَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَہٗ تنہا وہ مسجد ہی نہیں۔ اُس کا آس پاس۔ اُس کا پڑوس۔ اُسکا گردو نواح۔ برکتوں والا۔ برکتوں اور رحمتوں کا گنجینہ۔ بھلائیوں اور پاکیزگیوں کا خزینہ! ہاں وہ مقام جہاں اُسکو لایا گیا تھا۔ اور انتہائی عروج کے وقت لایا گیا تھا۔ جو سب سرداروں کا سردار۔ اور سارے پاکوں سے بڑھکر پاک ہُوا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ سُبحان اللہ کتنی زندگیاں اس موت پر نثار۔ جس کے بعد یہ درجہ نصیب ہُوا۔ جسم جہاں سے جہاں پہنچایا گیا۔ سب نے دیکھا۔ رُوح کہاں پہنچائی گئی ہوگی۔ اُس کا اندازہ کون کرے جسے آدمی کاندھوں پر لادکر لائے۔ اسے سب نے دیکھا۔ جسے نُور کے فرشتے ہاتھوں ہاتھ لے گئے ہوں گے۔ اس کے درجہ ومرتبہ کو کون پہچانے۔ ؎

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیرِ عشق یافت
مرگے کہ زاہداں بدعا آرزو کنند

لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہندوستان کا ایک بڑا سیاسی لیڈر اُٹھ گیا۔ اور یہ کہکر گویا ماتم کا آخری لفظ ختم کر دیتے ہیں۔ اللہ کے بندو! یہ مرتبے کہیں محض ایڈیٹروں انشاء پردازوں۔ خطیبوں کے نصیب آیا کرتے ہیں؟ یہہ بات کسی کے منہ سے نہیں نکلتی۔ کہ محمدؐ کا دیوانہ اُٹھ گیا۔! ہاں محمدؐ کا دیوانہ اُٹھ گیا۔ جو محمد کے دین کا شیدائی محمدؐ کے رب کا پرستار محمدؐ کی اُمت کا عاشق۔ محمدؐ کے نام کا دیوانہ تھا۔ وہ محمد علی جس نے اپنے کو محمدؐ کے عشق میں فنا کر دیا تھا۔ محمدؐ کے غلام کے مرتبے بھی اونچے نہ کئے جائینگے۔ اور کس کے کئے جائیں گے۔

مولانا محمد علیؒ

گول میز کانفرنس لندن کے سلسلے میں مولانا محمد علی کی وفات پر ہمارے کانوں میں یہ الفاظ گونج رہے ہیں۔ کہ "ایک جنگ جو تمام ہو گیا" اگر اس عظیم الشان شخصیت کے خصایل میں کوئی بات سب سے نمایاں حیثیت رکھتی تھی تو یہ اُس کی وہ جنگجویانہ سپرٹ تھی۔ جسے وہ کسی معاملے میں جسے وہ حق خیال کرتا تھا۔ ظاہر کرتا تھا۔ قومی زندگی کے آغاز سے محمد علی مادرِ ہند کی آزادی کی جنگ میں ہمیشہ صفِ

اول میں دیکھا گیا۔ اُس نے نہ کبھی دشمن کو پناہ دی۔ نہ خود پناہ ڈھونڈی۔ اور اُس کی اِس صفت نے دُشمنوں کے سر تسلیم بھی اُس کے سامنے خم کرا دیئے ہیں۔ اِس وقت جبکہ ہندوستان آزادی کی فیصلہ کن جنگ میں مشغول ہے۔ مولانا محمد علی جیسے کہنہ مشق جرنیل کی موت ایک غیر معمولی قومی نقصان ہے۔

تاہم اِس سانحۂ غم انگیز کے اندر انسان کے لئے عظمت کا ایک نشان جھلک مار رہا ہے۔ ایک جنگجو کی حیاتِ مستعاً کا اِس سے زیادہ شایان شان خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ جنگ کی صفِ اول میں دُشمن سے دست و گریباں ہوتے ہوئے۔ موت سے دوچار ہونا بلاشبہ ایک ایسا متہم بالشان خاتمہ ہے۔ جس سے بڑھ کر مشیت ایسے سلکِ حیات کے لیئے مقدر نہیں کر سکتی۔ اُس نے برٹش قوم کو مخاطب کر کے کہا۔ "میں غلام مُلک میں واپس نہیں جاؤنگا۔ یا پروانۂ آزادی میرے حوالے کرو۔ یا تمہیں میرے لئے قبر مہیا کرنی ہوگی"۔ اسوقت بہت ہی کم لوگوں نے اِن الفاظ کی پیشگویانہ حیثیت کو سمجھا ہوگا۔ اس کی گول میز کانفرنس والی تقریر سرتا پا اپنے اندر ایک متہور جنگ کی سی صاف گوئی اور بے باکی لئے ہوئے ہے۔ اس نے ملک

معظم کی حکومت کو انتباہ دیا۔ کہ

"اگر میں ایک آزاد ملک (انڈیا) میں واپس نہ گیا۔ تو میں ایک ضائع شدہ (از دستِ حکومت موجود) ملک میں واپس جاؤنگا"

لائٹ لاہور

رئیس الاحرار کا عالمگیر ماتم

۴ رجنوری ۱۹۳۱ء بروز یکشنبہ کو رئیس الاحرار نے لندن میں ۹ بجے دن کے یعنی کلکتہ وقت کے حساب سے ڈھائی بجے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ رات بھر آپ اپنی اُس اسکیم پر نظرِ ثانی کرتے رہے۔ جو ہندو مسلم سمجھوتے کے لئے آپ نے لکھی تھی۔ صبح پانچ بجے جب سو کر اُٹھے۔ تو بیہوش ہو گئے۔ اور پھر آخر تک کچھ بول نہ سکے۔ مولانا شوکت علی آئرلینڈ گئے ہوئے تھے۔ جب بھائی کے بسترِ مرگ پر پہنچے۔ تو وہ زبان کھول نہیں سکتے تھے۔ لیکن وفات اُنہیں کے سامنے ہوئی۔ نیز مرحوم کی صاحبزادیاں "بیگم" اور دونو داماد بھی حاضر تھے۔ مہاراجہ الور بھی موجود تھے۔ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ وفات کسی شرائین کے پھٹ جانے سے واقع ہوئی ہے ٭

وزیر ہند کا مرثیہ

وزیر ہند مسٹر ویجووڈ بین نے جب یہ جانگسل خبر سنی۔

تو ان لفظوں میں اپنا تاثر ظاہر کیا۔

مولانا محمد علی کو خوب معلوم تھا۔کہ دستِ اجل ان کی طرف دراز ہو چکا ہے۔ مگر انہوں نے اس کی کچھ بھی پرواہ نہ کی۔ ہندوستان کی خدمت میں اُنہوں نے ہنسی خوشی دُنیا کو خیر باد کہا ہے! پُرانے سال کے آخری دن اپنے معالجوں کی عدول حکمی کرتے ہوئے احباب کی ایک جماعت کو مدعو کیا۔ اور اپنے بستر مرض سے جو اُنکا بستر مرگ ثابت ہوا۔ اُنہوں نے ہمیں مخاطب کیا۔ اُنہوں نے بڑے اخلاص سے وسیع تر آزادی اور بہتر مفاہمت کیلئے اصرار کیا۔ مولانا محمد علی ایک جلیل القدر مسلمان تھے۔ جلیل القدر وطن پرور تھے انسانیت کے جلیل القدر پیامبر تھے۔ انہوں نے بڑی شجاعت سے عام مفاہمت و مصالحت کی خاطر جان دی ہے! ہم اُن کے عزیزوں کے ساتھ مل کر اُنکا ماتم کرتے ہیں اور پردیس میں اُن کی وفادار بیوہ کے سامنے اپنی ہمدردی و تعزیت پیش کرتے ہیں۔

بکثرت لوگوں نے مرحوم کی وفات پر اظہار رنج وغم

کیا ہے۔ سب کا جمع کرنا نا ممکن ہے۔ بعض اقوال درج ذیل کئے جاتے ہیں +

سر تیج بہادر سپرو

مولانا محمد علی کو کئی برس سے جانتا ہوں۔ وہ ایک نہایت زبردست شخصیت کے مالک تھے۔ وہ اپنے وطن کے نہایت سچے محب تھے۔ اور ایسے وقت میں اُن کی وفات ہوئی ہے۔ جب وطن کو اُن کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔

مسٹر جیکر

مرحوم نے نہایت نازک وقت میں انتقال کیا ہے۔ گول میز کانفرنس کے فیصلے میں اُن کی موجودگی کی سخت ضرورت تھی۔ وہ سیاسیات ہند میں بڑی شخصیت تھے اور اپنے ایک دور میں اُنہوں نے قومی خدمت کے لئے بڑا کام کیا ہے۔

سر اکبر حیدری

مولانا نے اپنے ملک کے لئے زندگی کے آخری لمحے تک شدید ترین محنتیں اُٹھائی ہیں +

سر سی - پی - آر - آٹر

مولانا محمد علی ڈائنامیٹ والی شخصیت رکھتے تھے ۔ اُن کی موت سے ہندوستان کی پبلک زندگی میں ایک بڑا فرق پڑ جائے گا ۔

پنڈت موتی لال نہرو

مَیں ایک پُرانے دوست کی طرح مولانا محمد علی کا ماتم کرتا ہوں ۔ ہم دونوں کبھی بھی پوری طرح ہم خیال نہیں ہوتے تھے کہ اُس زمانے میں بھی جب اُن کی پُوری قوت کانگریس کے ساتھ تھی ۔ اُن کے سیاسی مقاصد گہرے مذہبی رنگ میں رنگے ہوئے تھے ۔ اُن کی موت نے ہندوستان کو ایک مؤثر اور زبردست شخصیت سے محروم کر دیا ہے ۔

لارڈ سینکی

مَیں مولانا محمد علی کی درخواست پر اُن کے بسترِ مرگ پر حاضر ہُوا ۔ وُہ بہت کمزور اور پریشان تھے ۔ لیکن وہ اپنی ذات اور جان کی طرف سے بالکل بے پروا تھے ۔ اُن کی تمام اُمیدیں ۔ آرزوئیں ۔ اور حوصلے اِسوقت سراسر

ہندوستان ہی کے لئے تھے۔

مہاراجہ بیکانیر

میں اُن کا دوست تھا۔ اور مجھے معلوم ہے۔ کہ اُن کی شخصیت اور اخلاق کس قدر بلند اور محبوب تھے۔

لارڈ ریڈنگ

یہی وہ صاحب ہیں۔ جنہوں نے مولانا کو دو سال کیلئے قید کیا تھا۔ اُنہوں نے اِس قوت وجرأت کی تعریف کی۔ جس سے مرحوم اپنے معتقدات ہندوستان میں ظاہر کیا کرتے تھے۔ جس سے اکثر ہمیں پریشانیاں لاحق ہوجایا کرتی تھیں۔ بہرحال اُنہوں نے اُس بڑے مقصد کیلئے جان دی ہے۔ جس پر وہ یقین رکھتے تھے۔

مولانا شوکت علی

پڈنگسٹن ٹاؤن ہال میں مولانا مرحوم کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جس میں ہر مذہب وملت کے سربرآوردہ لوگ موجود تھے۔ اِس اجتماع میں مولانا شوکت علی نے آبدیدہ ہوکر حاضرین سے فرمایا۔ میں ہر مذہب وملت کے ماننے والوں سے اپیل

کرتا ہوں۔ کہ اس بہادر خستہ روح کے لئے اپنے اپنے طریقوں
کے مطابق دُعا کریں۔

محترمہ کستورا بائی

مہاتما گاندھی کی زوجہ محترمہ نے حسب ذیل تار بیگم محمد علی
کو بھیجا ہے۔

"مجھے از حد صدمہ پہنچا"

منی لال گاندھی

مہاتما گاندھی کے صاحبزادے منی لال اور اُن کے ساتھیوں
نے سابرمتی جیل سے مولانا شوکت علی کو تار دیا ہے کہ "آپ
کے غم میں ہم سب پوری طرح شریک ہیں"

سردار امر سنگھ

سردار امر سنگھ مالک "شیر پنجاب" نے اعلان کیا۔
مولانا محمد علی سارے ملک کے لیڈر تھے۔ اُنہوں نے نہ
صرف مسلمانوں کی خدمات انجام دیں۔ بلکہ سکھوں کو بھی
جب مشکلات پیش آئیں۔ تو گوردوارہ پربندھک کمیٹی کی
امداد کیلئے ایک مولانا ہی تھے۔ جو اس وقت حوصلے بڑھانے

آ موجود ہوئے۔ اور انہوں نے ٹوٹی ہوئی اُمیدوں کو از سرِ نو زندہ کر دیا۔ ہم اُن کے احسان مند ہیں۔ آپ کی موت سے ناقابلِ تلافی نقصان ہوا ہے۔

رئیس الاحرار مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

برفت آں ماہ مارا در دل از وے صد ہوس ماندہ
غمِ ہجرانِ او با جانِ شیریں ہم نفس ماندہ

باون سال ہوئے۔ ریاست رامپور کے ایک رئیس اور عہدہ دار عبد العلی خاں نے عین عالم شباب میں بعارضہ ہیضہ انتقال کیا۔ اِس جوانا موت کے بالینِ مرگ ایک ۲۷ سالہ نوجوان بیوہ بیوی اور دو کم سن بچے مصروف آہ و فغاں تھے۔ سوائے خدائے علیم کے کسی کو کیا خبر تھی۔ کہ اس حرماں نصیب بیوہ کے لال ایک دن آسمانِ شہرت پر آفتاب و ماہتاب ہو کر چمکینگے۔ وہ پیکرِ حریت اور شمع آزادی کے پروانے ہونگے۔

کسی کو کیا علم تھا۔ کہ ارمان یاس میں پلا ہوا ہے کس والدہ کا سب سے چھوٹا بچہ محمد علی اسلامی ہند کا سب سے بڑا آدمی ہوگا۔ وہ ہندوستان کی غلامی کی زنجیروں کو

کاٹنے والا احرارِ عالم کے صفِ اولیں میں شمار ہوگا۔ وہ "نپولین دل برک زبان اور میکالے قلم ہوگا" اور

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کا مصداق بنے گا۔

کسی کو کیا خیال تھا۔ کہ یہ طفلک ناآشنا نے گفتار فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیگا۔ اور "قادر الکلام و سلطان القلم" کے لقب سے ملقب ہوگا۔ وُہ غیر ملک کی زبانوں پر بھی ایسی حیرت انگیز قوت کا مالک ہوگا۔ کہ اُس کی زباندانی پر اہل زبان عش عش کرینگے۔ چار دانگ عالم میں اُس کی لیاقت و قابلیت کی دھاک بندھ جائیگی۔ یہ ملک و ملت پر مرمٹنے والا۔ عدل و انصاف کا حامی۔ ظلم و استبداد کا ماحی۔ بے مثال مدیر بے عدیل شاعر جادو بیان مقررِ اسلام کا شیدائی وطن کا عاشق۔ مُسلم لیگ کا بانی۔ اور کانگریس کا صدر بنیگا۔

کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ کہ یا پچ پینتیس ہزار روپیہ قرضہ کا وارث اپنے رُعب و اقتدار سے دُنیا کی عظیم الشان سلطنتوں میں تہلکہ مچا دیگا۔ اور خسروانِ عالم اُس کے نام سے تھرا اُٹھینگے۔ وُہ موتمر عالمِ اسلام کی بُنیاد رکھکر ایک بھولے ہوئے سبق کی یاد دلائیگا۔ اور گم گشتہ راہ کے لئے شمع ہدایت کا کام دیگا۔

آپ ہوش سنبھالتے ہی سکول وہاں سے علیگڑھ کالج اور کالج سے آکسفورڈ یونیورسٹی میں بغرض تعلیم تشریف لے گئے۔ جہاں پر طلبا، و اساتذہ نے آپ کی خداداد ذہانت۔ علم و فضل کا لوہا مان لیا۔ اور آپ کی فوقیت و برتری کو تسلیم کر لیا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد رامپور اور بڑودہ کی ریاستوں میں ممتاز عہدوں پر فائز رہنے کے زمانہ میں مختلف انگریزی اخباروں میں نہایت ہنگامہ خیز مضمون لکھے۔ آپ کے زور بیان اور قوتِ استدلال نے ہر کہ و مہ سے خراج تحسین وصول کیا۔ اور آپ ملازمت کے تنگ دائرہ سے نکلکر آفتاب عالم کی طرح ادبی و سیاسی دُنیا میں نمودار ہو کر مسلط ہو گئے۔ اور اپنی کمال تمازت و روشنی سے ماہستان جہاں کو خیرہ و ماند کر دیا۔

لیکن ؎ اے روشنیٔ طبع تو بر من بلا شدی۔ یہیں سے آپ کے ابتلا و آزمایش۔ اور قید و بند کی تکالیف کا باب بھی شروع ہوتا ہے۔ ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند بر عاشقانِ نیک طینت را

آپ نرم دل۔ خندہ جبیں۔ وفادار دوست اور بہترین

نوش تھے۔ لیکن جانباز سپاہی خوفناک مقابل اور آزمودہ جرنیل تھے۔ جادۂ حیات میں کش مکش اور جد وجہد کی زندگی بسر کی۔ تحفظِ ناموسِ اسلام اور آزادیٔ وطن کے لئے جان تک قربان کرنے سے دریغ نہ کیا۔ ؎

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے
تنے محکم تر از سنگیں حصارے
درونِ او دلِ دردآشنائے
چوں جوئے در کنارِ کوہسارے

الغرض آپ کی داستانِ حیات کا ایک ایک ورق علوِ ہمت و مرتبت نیک نیتی و نیک طینتی تہوّر و شجاعت سے پُر اور ایثار و قربانی و مصائب و آلام سے بھرا ہوا ہے۔ ایسی نادرالوجود ہستیاں اور ایسی اولوالعزم شخصیتیں روز پیدا نہیں ہوتیں۔ ؎

قرنہا باید کہ تا صاحبدلے پیدا شود
بوالحسن اندر خراساں یا اویس اندر قرن

شب برات کے روز جبکہ عالمِ اسلام پر مسرت کی لہر دوڑ رہی تھی۔ ہندوستان کے اس قائدِ اعظم اور سیاسی دنیا کے مدبرِ اعلیٰ نے انگلستان کی سرزمین میں یک لخت داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا

اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؏

دل یہ کہتا ہے فراقِ ماہ و انجم دیکھکر
ہائے کیا کیا صحبتیں راتوں کی برہم ہوگئیں

موت سے چند روز قبل گول میز کانفرنس لندن میں "کرسیٔ علالت" میں بیٹھکر وہ معرکۃ الآرا اور ہنگامہ خیز تقریر (جسکو مشیرالاسلام کی آخری گرج سے تعبیر کیا گیا ہے) کی کہ سینٹ جیمز ہال کے در و دیوار اب تک اُس کی آوازسے گُونج رہے ہیں۔ دورانِ تقریر میں جو الفاظ مُنہ سے کہے۔ اُنہیں سچ کر دکھایا۔

"میں اپنے مُلک کو صرف اُسی حالت میں جاؤنگا جب کہ آزادی کا پروانہ میرے ہاتھ میں ہو۔ مَیں ایک غلام مُلک کو واپس نہیں جاؤنگا۔ مَیں ایک غیر ملک میں جبتک وُہ آزاد ملک ہے۔ مرنے کو ترجیح دُونگا" گو وفات کفرستان میں ہوئی۔ قبر کے لئے مسجدِ اقصےٰ میں جگہ ملی۔ ؎

مرکے جوہر آپ کے جوہر کھلے

یہ خاک برگزیدہ پیغمبران کا قبلہ اور مومنین کا سجدہ گاہ رہا ہے۔ خود رَسُوْلِ مَقْبُوْل صلے اللہ علیہ وسلم کا قبلہ اور شبِ معراج کی مبارک سیر کا پہلا مقام تھا۔ فَارُوقِ اَعْظَمْ کی فتح کبرے اور سلاطینِ اِسْلَام

کی تفریح گاہ ہے۔ اَنْبِیَاء و اَوْلِیَا اِس سرزمین کی آغوش میں جا ملنے کے متمنی و خواہشمند رہے۔ اسپر ہر وقت خداوندِ عالم کی برکات کا نزول اور شب و روز اُس کی رحمتوں کا مینہ برستا ہے۔ یہ مبارک و متبرک خاک اپنے گرد و نواح کو بھی اِس تبریک میں شامل رکھتی ہے۔ علامۂ اقبال مدظلہٗ نے کیا اچھا کہا ہے۔ ؎

خاکِ قدس او را بہ آغوشِ تمنا در گرفت
سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت
مے نگنجد جز بہ آں خاکے کہ پاک از رنگ و بوست
بندۂ کو از تمیزِ اسود و احمر گذشت

حصّۂ دوم

نظم

محمّد علی رحمتہ اللہ علیہ

(حضرت علّامۂ اقبال)

یک نفس جانِ نزارِ او تپید اندر فرنگ
تا شرر برہم زنیم از ماہ و پرویں در گذشت

اے خوشا مشتِ غبارِ او کہ از جذبِ حرم
از کنارِ اندلس و از ساحلِ بربر گذشت

خاکِ قدس او را بہ آغوشِ تمنّا در گرفت
سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت

می نگنجد جز بآں خاکے کہ پاک از رنگ و بوست
بندۂ کو از تمیزِ اسود و احمر گذشت

جلوۂ او تا ابد باقی بچشمِ آسیاست
گرچہ آں نورِ نگاہِ خاور از خاور گذشت

ماتمِ جوہر

جوہر کے انتقال کی جانکاہ تھی خبر
ہر فرد قوم رنج سے ہے بیقرار آج
ثابت یہ کر رہا ہے لباسِ کبود رنگ
بے مہر آسماں بھی ہوا سوگوار آج
اُترا ہُوا ہے چہرۂ مہتاب رنج سے
دستارِ آفتاب بھی ہے تار تار آج
وُہ غم ہے یہ کہ گریۂ شبنم کو دیکھکر
گلشن میں چشمِ گُل بھی ہوئی اشکبار آج
دُشمن بھی نوحہ خواں ہیں جنازہ کو دیکھکر
تنہا نہیں الم میں ترے دوستدار آج

کاشانۂ وطن میں بجھی شمعِ ضُوفشاں
رُخصت ہُوئی چمن سے چمن کی بہار آج

اسلام کا مجاہدِ اعظم

(جناب محمد اسد خاں صاحب اسد۔ بی۔ اے۔ ملتان)

ملت کا رہنمائے مسلم گذر گیا
اسلام کا مجاہدِ اعظم گذر گیا

قومِ ضعیف و زار کا نباض چل بسا
اہلِ وطن کے حال کا محرم گذر گیا

شاید ہی اس کا اب کوئی نعم البدل ملے
وہ جانشینِ سید اعظم گذر گیا

جس کی حیات وقفِ غمِ قوم ہی رہی
اب کرکے قوم کو ہمہ تن غم گذر گیا

تھی جس کی برہمی میں بھی اک شانِ دلبری
وہ ہم ادائے گیسوئے برہم گذر گیا

جس کی تمام عمر کٹی جدوجہد میں
وہ آبروئے عزمِ مصمم گذر گیا

وہ بے نوا فقیر، وہ درویش بے نیاز
ڈرتے تھے جس سے خسرو عالم گذر گیا

نے نے "دیارِ غیر میں اپنے وطن سے دور"

اپنے وطن کا عاشقِ پُرغم گذر گیا

مردانہ آن بان سے میدانِ جنگ میں
دکھلا کے اپنے آخری دم خم گذر گیا

جس کی گرج سے گونج رہا تھا جہاں اسد
وہ شیر۔ وہ ہژبر۔ وہ ضیغم۔ گذر گیا

اک زمانہ سو رہا تھا اور تو بیدار تھا

یہ مرثیہ حضرت نشتر صاحب نے برجستہ لکھا ہے۔ آپ کو مرحوم سے خاص محبت و ارتباط تھا۔ اور آپ پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے رئیس الاحرار کا مرثیہ لکھا۔

بادۂ حبِّ وطن سے دل تیرا مخمور تھا
سینۂ بے کینہ دردِ قوم سے معمور تھا

صاف باطن، صاف دل۔ آئینۂ گنجِ علوم
اہلِ مغرب کی سیاست میں بھی تھی تیری دھوم

فہم و عقل و ہوش کے در جس جگہ ہوتے تھے بند
پہونچتا تھا اُڑ کے تیرا طائرِ فکرِ بلند

خیر خواہی ملک و ملت کی ترا دستور تھا
دوستدارانِ بشر کے نام سے مشہور تھا

کُند تھی تیغِ حکومت خامۂ شمشیر سے
ہوش اُڑتے تھے فصیحوں کے تری تقریر سے
تھا نہ سرمایہ پرستوں کی تجھے طاقت کا ڈر
دل میں آئی بات جو۔ کہدی زباں سے بےخطر
قید میں بھی حریت کے جام سے سرشار تھا
اِک زمانہ سو رہا تھا اور تو بیدار تھا
تھا مفادِ عامہ ہر دم تیرے پیشِ نظر
خدمتِ خلقِ خدا میں عمر کی تو نے بسر
اُف نہ کی مُنہ سے کبھی گر جان پر بھی آبنی!
قول کا پابند۔ اپنی بات کا پورا دھنی
تھا صفاتِ برگزیدہ میں ازل سے سرفراز
مادرِ ہندوستان کو تھا تری ہستی پہ ناز
خوابِ غفلت میں تھے ہم ہُشیار تو نے کر دیا
عالمِ اسلام کو بیدار تو نے کر دیا
مرتے مرتے بھی نہ چھوڑی خدمتِ ہندوستاں
لب پہ تھا نامِ خدا اور دل میں دردِ بندگاں
سخت بیماری کی حالت میں سفر کی ٹھان لی
ہند کی اُلفت میں لندن جاکے تو نے جان دی
حُریت آموز تیرا آخری پیغام ہے

غیر فانی زندۂ جاوید تیرا نام ہے
قومیت کے قصرِ آزادی کا بانی اُٹھ گیا
عالمِ اسلام سے فاروقِ ثانی اُٹھ گیا

فسانۂ غم

کسی پہلو اسے قرار نہیں — ہائے نیرنگِ عالمِ فانی
بے اثر ہیں فتوحِ چنگیزی — بے نتیجہ ہے علمِ یونانی
قبرِ دارا رہی نہ تربتِ کے — تختِ خاقاں رہا نہ خاقانی
ایک لفظ فسانہ کا ہے اب — تابشِ خاتمِ سلیمانی
صرف رنگینیٔ خیال ہے اب — جامِ جمشید و حسنِ کنعانی

درخورِ عیش کائنات نہیں
جو یہاں ہے اُسے ثبات نہیں

انقلابِ جہاں ارے توبہ — وصل ہم معنیٔ جدائی ہے
لوٹ لینا ہے راہبری کا شرف — غوطے دینا یہ ناخدائی ہے
مختصر ہے یہ حال دنیا کا — کبھی شاہی کبھی گدائی ہے
ہر اشارہ ہے اسکا مرگِ انجام — اور جگر سوزِ دل ربائی ہے
پاس جو تھا بھی اسکو کچھ نہ ہوا — بے وفائی سی بیوفائی ہے

نشترِ غم سے دل فگار کیا
ہنسنے والوں کو اشکبار کیا

ہند سے رُخصتِ بہار ہے آج   ایک گلشن طراز تھا نہ رہا
کون ملت کے ناز اُٹھائیگا   جو سراسر نیاز تھا نہ رہا
کس کو اہلِ جنوں کا غم ہوگا   جو محبت نواز تھا نہ رہا
اَب حقیقت کو کون سمجھے گا   جسکو علمِ مجاز تھا نہ رہا
بزمِ خدام کعبہ ہنستی ہے   جو فدائے حجاز تھا نہ رہا

فخرِ ہندوستان کی رُخصت ہے
جوہرِ نکتہ داں کی رُخصت ہے

ہمّتِ غم کا امتحان کریں   آج ہم پاسباں سے چھٹتے ہیں
گلشنِ ہند پر خزاں آئی   پھول سب باغباں سے چھٹتے ہیں
کیوں دلوں کے کنول نہ مرجھائیں   رونقِ بزمِ جہاں سے چھٹتے ہیں
محفلِ عیش کیوں نہ ہو برہم   ہم نشاطِ جہاں سے چھٹتے ہیں
اپنے نغمے اَب سُنائیگا کون   بلبلِ بوستاں سے چھٹتے ہیں

یہ نشانی خزانِ ہند کی ہے
موت اِسلامیانِ ہند کی ہے

نازکس پہ کریں گے احباب   معنئ لفظِ آشنا نہ رہا
ٹھوکروں سے بچائیگا اَب کون   آفتابِ جہاں نما نہ رہا
دادِ مظلوم کس سے پائیں گے   جان نثارِ شہ و گدا نہ رہا
داستانِ الم کہیں کس سے   تھا جو دمساز و غمزدا نہ رہا
ہوگیا سرد شوق کا بازار   غیرتِ برقِ شعلہ زا نہ رہا

حُسنِ تحریر آج مِٹتا ہے
نازِ تقریر آج مِٹتا ہے

ڈوبتا ہے قوم کی کشتی — پار اِس کو لگائیگا اب کون
مِٹ گیا تھا جو قوم کا عاشق — اپنی ہستی مٹائیگا اب کون
نہ رہا تھا جو قوم کا رہبر — ٹھیک رستہ بتائیگا اب کون
سعیِ آزادیِ وطن کے لئے — جیل خانے بسائیگا اب کون
اُٹھ رہا ہے نشان باطل کا — اس کو اُٹھ کر گرائیگا اب کون

تھا جو زینت طرازِ ہند مٹا
ہائے کیا دلنوازِ ہند مٹا

جو ارسطو دماغ تھا نہ رہا — آج مشکل میں کس سے بین ایں
کون ہے واقفِ منازلِ ہند — پیشرو اپنا کس کو ٹھیرائیں
کس سے پوچھیں نشاطِ قوم کا راز — کس سے قسمت کے پیچ کھلوائیں
حق و باطل کی بحث چھڑتی ہے — کس کو بہرِ محاکمہ لائیں
مِٹ رہی ہے اُمیدگاہِ انام — کچھ بتاؤ کہ ہم کدھر جائیں

نور افشاں دماغ تھا نہ رہا
گوہرِ شب چراغ تھا نہ رہا

قوم کے ناز جو اُٹھاتا تھا — اُس کی میت اُٹھا رہی ہے قوم
حالتِ قوم پہ جو گریاں تھا — اسپر آنسو بہا رہی ہے قوم
جو اُٹھاتا تھا سونے والوں کو — آج اُس کو سُلا رہی ہے قوم

جسے تعمیرِ قوم کی دُھن تھی　　اُس کا مدفن بنا رہی ہے قوم
نوحہ خواں تھا جو قوم کا اے راز　　اُس کا نوحہ سُنا رہی ہے قوم

رہبر و متقی کی میّت ہے
یہ مُعتمدِ علی کی میّت ہے

غزلِ غالب

"جو مولانا پر صادق آتی ہے" گویا مولانا کا مرثیہ مولانا کی زبانِ حال سے ہے:

حُسن غمزے کی کشاکش سے چُھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد

منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا
ہوئی معزولیٔ انداز و ادا میرے بعد

شمع بجھتی ہے تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیاہ پوش ہوا میرے بعد

درخورِ عرض نہیں جوہرِ بیداد کو جا
نگہِ ناز ہے سُرمے سے خفا میرے بعد

ہے جنوں اہلِ جنوں کیلئے آغوشِ وداع
چاک ہوتا ہے گریباں سے جُدا میرے بعد

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دُنیا میں کوئی
کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

آتے ہے بیکسیٔ عشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائیگا سیلاب بلا میرے بعد

پشاوری مجاہدین کی نظم

جناب سلیم کی نظم جو پشاوری مجاہدین گاتے تھے۔ ہم بغیر کسی ترمیم کے درج کئے دیتے ہیں:-

خبر لو یا محمد وقت یہ مشکل کشائی ہے
کہ میں بیکس مسلمان آہ یہ وقت دہائی ہے

جو تھے وارث وطن کے وہ مری ہیں بیوطن ہو کر
تصدق جان کر دی ہند پہ اللہ دوہائی ہے

ہمیشہ جان و دل سے ہوتے تھے قربان جو سب پر
وہ کھیلے جان پر کیا قوم نے دیکھی بھلائی ہے

ہماری بیکسی روتی ہے ہم پر آہ یا اللہ
شریک غم جو تھا اُس نے خدا سے لو لگائی ہے

خداوندا اُنہے اب دامنِ رحمت میں رکھ لینا
رہے یہ کرتے اپنی قوم کی حاجت روائی ہے

عطا کر جنت الفردوس اُن کو یا الٰہی تو
سلیم زار کی ہے یہ صدا سُننے میں آئی ہے

پنجابی مجاہدین کی نظم

جناب مست کی نظم جو پنجابی مجاہدین گاتے تھے۔ بغیر کسی ترمیم کے درج ذیل ہے۔

تیرے جاتے ہی پڑ گئی کھلبلی
محمد علیؒ اے محمد علیؒ
تیرے دم کو لندن عدم ہو گیا
نہ آنے کی واں سے اجازت ملی
نہ ڈھونڈے ملی حریت جب تجھے
تیری روح آزاد ہو کر چلی
نہیں تجھ سا ہے اب مرد میداں کوئی
پڑے نام سے جس کے واں کھلبلی
تیرا نام زندہ تیرے بعد بھی
تجھے ہم سمجھتے ہیں زندہ دلی
سلاطین عالم بھی تھے دم بخود
محمد علیؒ تھا کہ شیر محمد علیؒ
ارے مست اب اور مجھ سے نہ پوچھ
مجھے چھوڑتے ہیں محمد علیؒ

شہید جلیل

شہیدِ عظمتِ دینِ ہُدیٰ سلامٌ علیک
امینِ بادشہِ کربلا سلامٌ علیک

زوند نغمۂ طیبتُم فرشتگانِ خدا
بخیر مقدمِ روحِ سما سلامٌ علیک

گلِ حدیقۂ بوبکر شمعِ بزمِ علی
چراغِ انجمنِ مصطفیٰ سلامٌ علیک

امامِ خلق، سعیدِ ازل، عزیزِ وطن
قتیلِ عشق شہیدِ وفا سلامٌ علیک

مسیحِ حلقۂ خدّامِ کعبۂ یزداں
رئیسِ عسکرِ دینِ خدا سلامٌ علیک

دیارِ ہند ز تو یافت عظمتِ ابدی
زعیمِ مملکتِ ایشیا سلامٌ علیک

باوجِ عشقِ تو روحِ بلال مے نازد
حبیبِ قلبِ رسولِ خدا سلامٌ علیک

بہ لوحِ قلب ز نوکِ سناں حبِّ وطن
تو ہی نوشت ز نورِ وفا سلامٌ علیک

دل روشن بگروہِ ملائکہ خواند
بروحِ پاک تو اے باخدا سلامٌ علیک

ماتمِ جوہر

آج آئی ہے خبر جانکاہ انگلستان سے
جسکو سُنکر قلبِ مسلم سے سکوں جاتا رہا
چہرۂ اسلام پر اک مُردنی سی چھا گئی
چہرۂ گردوں سے رنگِ نیلگوں جاتا رہا
فرطِ غم سے قوم کا ہے آج دامن تار تار
گلشنِ ہندوستاں سے ہو گئی رخصت بہار
حامیٔ آزادیٔ ہندوستاں جاتا رہا
حسرتا! اسلام کا شیرِ جواں جاتا رہا
جس کی تقریروں نے پیدا کی تھی اک دُنیا نئی
حسرتا اَب قوم کا وہ ترجماں جاتا رہا
جس کی حریت کا شہرہ آج اک عالم میں ہے
خطۂ ہندوستاں اس یار کے ماتم میں ہے
مرنے والے قوم تیرے واسطے ہے بیقرار
چشمِ مسلم روز و شب تیرے لئے ہے اشکبار

خدمتِ ملت میں کاٹی زندگی اپنی تمام
دل تیرا آزادی قومی کا تھا سرمایہ دار
پنجۂ اغیار سے ہندوستاں آزاد ہو
رُوح تیری گلشنِ فردوس میں آباد ہو

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

آہ جوہر

بے کسی کا یہ سماں اہلِ جہاں پر اے خدا
ہند سے انگلینڈ تک یوں کیسے چھایا ہے آج
اے جہانِ کارزار و دار و گیر و شور غل
چھوڑ سب کچھ ایک سناٹے میں کیوں آیا ہے آج
اے پہاڑو چھوڑ بیٹھے کیوں گرانی ندیو!
ہاں روانی کو تمہاری کس نے ٹھیرایا ہے آج
اے ہواؤ! سسکیاں لیتی ہو کس کی یاد میں
شمس کس کی آتشِ فرقت میں جل آیا ہے آج
اے قمر تو زرد رو کیوں ہے ستارو تم کہو
نور اپنا کس کے غم میں تم نے لٹوایا ہے آج
آسماں ہاں تو بتا کیوں بن گیا تصویرِ غم

خاک کا سر ڈالنا دھرتی کو کیوں بھایا ہے آج
تو بتا اے مجمعِ احباب کس کے ہجر میں
چل گئیں چھریاں ترے دل پر جو گھبرایا ہے آج
تو بتا اے ملتِ اسلامیۂ ہند کیوں
خون کے آنسو تیرا ہر فرد بھر لایا ہے آج
اے اسیرِ خستہ جاں بشنو اگر داری جگر
کہ چہ آوردہ است فتنہ ایں جہانِ فتنہ گر
آنکہ ملت را بسوئے منزلِ مقصود راند
خاک در دہنم چہ گویم جوہرِ ملت نماند
اُف کلیجہ منہ کو آتا ہے تجھے شایاں نہ تھا
چھوڑ جاتا ہے یوں ہم کو اس طرح ہونا تہاں
آہ شبِ تاریک بیم موج طوفاں جاں ستاں
کس کو سونپے جا رہے ہو کشتیِ ما بیکساں
دور منزل لنگ پا ہم اس پہ رہزن کا ہے خوف
او ہمارے قافلہ سالار جاتا ہے کہاں
دیکھ کر ڈالا ہے رقیبوں نے میرا تن داغ داغ
تو میرے اوپر نہ ہونے لگا اب کیوں دل
آگ آگے پانی پیچھے ہائے اب جاؤں کدھر
میں اکیلا میرے دشمن دو۔ میرا ساتھی کہاں

چند دن تک اور محمدؐ کے علیؓ جینا تھا اور
سینکڑوں خیبر ابھی تو نے گرانے تھے یہاں

دو قدم بھی چلنا سیکھا نہ تھا تیری قوم نے
تو چھڑا انگلی ہوا ہے جانبِ جنت رواں

تو تھا نباضِ جہاں اور ماہرِ جملہ علل
خوفِ غیر اللہ سے خالی تھا ترا دل بیگماں

حق گو و حق پرست و حق نواز و حق پسند
دور بین و عاقبت اندیش ہمدرد جہاں

دردخواہ و دین پرست و زاہد شب زندہ دار
وہ رموزِ مشرق و مغرب کا دانا اب کہاں

تیرا اٹھنا بیٹھنا۔ ہاں تیرا سونا جاگنا
زندگی تیری غمِ ملت کی تھی تصویر یہاں

زندگی تیری غمِ ملت کا گر زندہ بیاں
موت میں تیری شہید قومؒ کے معنے عیاں

تن ترا تھا قوم کا تن مال تیرا مالِ قوم
آج ثابت ہو گیا "تھی قوم کی جاں تیری جاں"

قوم پر قربان کر دی تو نے اپنی ہر متاع
صحت و اولاد و جان و مال و علم و خانماں

تا حشر اب قوم کو تیرا بدل ملتا نہیں

دوستو ہر روز جوہر پیدا ہوتے ہیں کہاں
کیا ہوا پر جسم تیرا گر ہوا ہم سے جُدا
رُوح تیری آج بھی ہے سرگروہ رہبراں
کیا ہوا دستِ خزاں نے گر کیا پامال گُل
بُو تو اُس کی ہو چکی ہے سارے عالم میں رواں

رُوحِ جوہر لے جواں داد ست از لنڈن پیام
سُرخرو باشی اگر میری بسعیِ ناتمام

حصّہ سوئم

کلامِ جوہر

(از مولنا محمد علی صاحب جوہر)

تجھے تسکینِ دل پایا تجھے آرام جاں پایا
نہاں بھی ہے تو کیا تجھکو جہاں ڈھونڈا وہاں پایا
ہمیں ہر چیز میں آئی نظر یارب ادا تیری
وہ کیسے ہونگے جن لوگوں نے تجھکو بے نشاں پایا
کوئی نامہرباں ہو کر ہمارا کیا بگاڑیگا
کرم تیرا تو ہے ہم پر تجھے تو مہرباں پایا
ترا وہ مُبتلا ناکام سمجھا جسکو دُنیا نے

اُسی کو سُرخرو دیکھا اُسی کو کامراں پایا

عنادل ہیں چمن کی تیرے فصلِ گل سے بے پروا
محبت کو تیری ہم نے بہارِ بے خزاں پایا

حرم میں تھا ہر اک کو یوں تو تیرے عشق کا دعوے
جو کی تحقیق تو اکثر وہی عشقِ بُتاں پایا

ہماری جان بھی حاضر ہے اُسکے اک اشارہ پر
کہ اُس کو اک جہاں نے آپ ہی جانِ جہاں پایا

کسی کو ڈھونڈھتا دیکھو خود اپنے گوشۂ دل میں
تو بس سمجھو کہ اب اُس نے سُراغِ لامکاں پایا

رہا آوارہ دیر و حرم پہلو سے بیگانہ
دل اُسکا عرش و کرسی ہو کہاں ڈھونڈا کہاں پایا

خجل خود خجلتِ تردامنی سے ہو گئے عاصی
تیری رحمت کو جب دیکھا تو بحرِ بیکراں پایا

جہاں ایماں ہو واں کیسے گذر ہو یاسِ حرماں کا
کسی مومن کو بھی اے دل خدا سے بدگماں پایا

نہیں سرکش کی سرکوبی میں وہ محتاجِ قوت کا
اُسی کو چُن لیا جس کو ضعیف و ناتواں پایا

وہ ساقی جس نے تلچھٹ تک نہ رکھی فکرِ فردا میں
اُوسے کوثر پہ ہم نے قبلہ گاہِ میکشاں پایا

نہیں معلوم کیا ہو حشرِ جوہر کا پر اتنا ہے
کہ ہاں نامِ محمدؐ مرتے دم وردِ زباں پایا

غزلِ جوہر

درِ بُت خانہ سے بڑھنے نہ پائے — گرچہ ایک عمر جبیں سائی کی
قیس کو ناقۂ لیلےٰ نہ ملا — گو بہت بادیہ پیمائی کی
ہم نے ہر ذرہ کو محمل پایا — ہے یہ قسمت ترے صحرائی کی
قید اور قید بھی تنہائی کی — شرم رہ جائے شکیبائی کی
سوجھتا کیا ہمیں ان آنکھوں سے — شرط تھی قلب کی بینائی کی
وقف ہے اسکے لئے جانِ عزیز — کعبے کے خادم و شیدائی کی
کعبہ و قدس میں گھر کیا ! یہ بھی — اک ادا ہے مرے ہرجائی کی
نظر آیا ہمیں ہر سینہ میں تو — اس پہ یہ دھوم ہے یکتائی کی
عشق اور جورِ ستمگر کا گلہ؟ — حد ہے اے دل تری رسوائی کی
عقل کو کیا ہم نے نذرِ جنوں — عمر بھر میں یہی دانائی کی
کر گئی زندۂ جاوید ہمیں — تیغ قاتل نے مسیحائی کی
ہو نہ تقلید دلا مقتل میں — کہیں موسےٰ تمنائی کی
نہ سہی تیغ، تجلی ہی سہی — آنکھ جھپکے نہ تماشائی کی
کل کو ہے پھر وہی زندانِ جوہر — ٹھیک کیا آپ نے سودائی کی

ماہِ صیام کا پیغام

از مرحوم مولانا مولوی محمد علی صاحب

الٰہی شکر تیرا پھر ماہِ صیام آیا — مہِ صیام نہیں عید کا پیام آیا

ہزار ماہ سے بہتر ہے رات اسکی — اِس مہینہ میں اللہ کا کلام آیا

گھڑی وہ کیا مبارک تھی کُل جہاں کیلئے — حرا میں عرش سے اقراء کا جب پیام آیا

جب ہی پوری جوانی پہ آگئی دُنیا — تو زندگی کیلئے آخری نظام آیا

مَیں اُس پہ بھیجوں درود و سلام کیں نہ ہے — کہ جسکے نام خود اللہ کا سلام آیا

ہے زندگی تو اُسکی جو مر مٹا دیں پر — وہی ہے کام کا اسلام کے جو کام آیا

ہو نفخ صور تمہارے لئے صدائے اجل — ہو جاں بلب بھی تو کہہ دو ابھی غلام آیا

نبی سے ملتے ہی اسلام کے سپر تھا وہی — جو بن کے کفر کی شمشیر بے نیام آیا

غزل

(یہ غزل حضرت مولانا محمد علی نے حج پر جاتے وقت لکھی تھی)

سب کہتے ہیں کہ تو شاد ہو مسرور ہو آج — کون کہتا ہو دلا تو دلِ رنجور ہے آج

کلفتِ قطعِ منازل ہوئی کافور ہے آج — ہے مدینہ سے جو نزدیک تو سب دور ہے آج

اپنے پلے کوئی سوغات نہیں اسکے سوا — نقد جاں نذر کرے دل یہی دستور ہے آج

سنگِ در تک تو بہر کیف رسائی بخشی — دیکھوں کیا کیا مری سرکار کو منظور ہے آج

آرزوئے دو عالم تھیں اور اک دل کا تنگ — فقط اک تیری تمنا سے وہ معمور ہے آج

رقصِ بسمل کی ذرا دیر اجازت چاہیئے — حُسن مشغول نہیں عشق بھی مجبور ہے آج

عشق خود بدعت و سرمایۂ صد بدعت ہے — رحم کر رحم کہ عاشق ترا معذور ہے آج

اب بھی پردا ہے محروم ہی رکھے گا ہمیں — تھی جو اک حسرتِ پابوس سو منظور ہے آج

بچ گیا بھی انا الحق سے تو انت الحق ہے — تیرے نعرہ میں بھی کچھ مستیٔ منصور ہے آج

لن ترانی کی یہاں بھی ہے آتی ہے صدا — بےگماں قبۂ خضرا شجرِ طور ہے آج
چھوڑ فقہی کیلئے مسئلۂ موت و حیات — ایک جلوہ ہے عیاں تھا کبھی مستور ہے آج
جس کے چہرے سے دمک اُٹھی تھی یثرب کے — دیکھو جوہر کی بھی آنکھوں میں بھی نور ہے آج

بُتانِ دہلی

کلمۂ حق ہو اگر وردِ زبانِ دہلی — مٹ سکیگا نہ کبھی نام و نشانِ دہلی
لب پہ آئے نہ کبھی شکوۂ جورِ اغیار — ہو زمانے سے الگ طرزِ زبانِ دہلی
بشرِ الحمد کشادہ ہے رہِ صبر و صلوٰۃ — ہو کے بیخوف بڑھیں راہروانِ دہلی
سرفروشی کیلئے پیر و جواں ہیں طیار — آج رونق پہ ہے کسی درجہ دکانِ دہلی
سنگ نیو سے زیادہ نہیں گولی خنجر سے — یوں رکیگا نہ کبھی سیلِ روانِ دہلی
حق کے آتے ہی ہوا کعبہ سے باطل رخصت — چند دن اور ہیں دنیا میں بتانِ دہلی

کلامِ جوہر رضی اللہ عنہ

(حضرت مولانا مرحوم کی ایک نفیس غزل)

کبھی چکھے ہی نہیں آبلہ پائی کے مزے — خضر کیا جانیں بھلا رہنمائی کے مزے
کثرتِ شوق سے تھا ہجر میں ہم رنگِ وصال — ہمنے لوٹے ہیں بہت تیری جدائی کے مزے
طبعِ آزاد اسیری میں بھی پابند نہ تھی — قید میں ہمنے اٹھائے ہیں رہائی کے مزے
میری مرضی ہوئی گم جب تری مرضی میں — بندگی ہی میں ملے ساری خدائی کے مزے
کثرتِ شوق بھی تھی اور لذتِ بعدِ منزل — ہر طرف خار تھے اور آبلہ پائی کے مزے
سمجھے ہر سجدہ کو معراج جو زاہد چکھ لے — دیر تو بہ پہ مری ناصیہ فرسائی کے مزے
آگئی وادیٔ پرخار بڑھاؤ تو قدم — پھر نہ کہنا نہ ملے رہنمائی کے مزے

شعر جوہر کی ہو قدر کیا سبکساروں کو　　ہمیں پوچھے کوئی اس ہرزہ سرائی کے لئے

ہم ہیں باشندے جیلخانے کے

(از مرحوم حضرت جوہر)

گھر چھٹا یوں کہ چھوڑنیوالے　　تھے نہ ہم اُنکے آستانے کے
ایک اِک کرکے سب کے تنکے　　گئے برباد آشیانے کے
کچھ دِنوں گھومنا مقدر تھا　　ساتھ ساتھ اپنے آب و دانے کے
دیکھئے اب یہ گردشِ تقدیر　　کہیں آنکلے ہیں نہ جانے کے
پوچھتے کیا ہو بود و باش کا حال　　ہم ہیں باشندے جیلخانے کے
قید میں اور اتنی بے باکی　　سب یہ پچھن ہیں مار کھانے کے

کوثر کے تقاضے ہیں تسنیم کے ہیں وعدے

(رئیس الاحرار کی ایک الہامانہ نعت)

تنہائی کے سب دِن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں اُن سے خلوت میں ملاقاتیں
ہر لحظہ تسلی ہے ہر آن تشفی ہے
ہر وقت ہے دلجوئی ہر دم ہیں مداراتیں
کوثر کے تقاضے ہیں تسنیم کے ہیں وعدے
ہر روز یہی چرچے ہر رات یہی باتیں
معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت

اِک فاسق و فاجر ہیں اور ایسی کراماتیں
بے مایہ ہیں ہم لیکن شاید وُہ بلا بھیجیں
بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں
شیطان کی چالوں سے اب ہوتے ہیں سب واقف
اب ہوگئی الم نشرح ملعونوں کی سب گھاتیں
بیٹھا ہُوا توبہ کی تو خیر منایا کر
ٹلتی نہیں یوں جوہر اِس دیس کی برساتیں

نذرِ عقیدت

(محمد علی کی یاد میں)

اے کہ تو تھا چمن آرائے وطن جانِ وطن — تیری ہی دم سے تو تھا سبز گلستانِ وطن
اے محمد علی اے شمعِ شبستانِ وطن — اُٹھ گئی ساتھ ترے رونقِ ایوانِ وطن
اے شہیدِ وطن اے روحِ وطن جانِ وطن — ذات سے تیری تھی وابستہ صد ارمانِ وطن
قوم کے واسطے کی جان بھی قربان تو نے — ہو گیا آج سے تو فخرِ شہیدانِ وطن
رہبرِ کامل اے پیغامبرِ حریت — تیری تعلیم کا ہر لفظ ہے ایمانِ وطن
کوئی ثانی نہیں تدبیرِ سیاست میں ترا — کون تھا تجھ سا جو بڑھ کر تھا نگہبانِ وطن
کون وطن چھوڑ کے آج چلا دُنیا سے — ٹکڑے ٹکڑے نظر آتا ہے گریبانِ وطن

دین و ملت کے فدائی اے خوش انجامِ حیات
موت ہے تیری ترے واسطے پیغامِ حیات

(ماخوذ از نیرنگِ خیال)

تمام شد